کتاب و سنت اور اسلافِ اُمّت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:10 Issue:9 September 2017

مُدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

درسِ قرآن	زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں	مولانا عبدالقادر فرید قاسمی	۵
درسِ حدیث	الٰہی چار مہلک امراض سے عافیت دیجئے	مولانا سید خواجہ نصیرالدین	۷
پیشِ گفتار	دینی مدارس کی حفاظت کیجئے	مدیر	۹
گوشۂ خواتین	اسلام کی باکمال خواتین	مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی	۱۶
اُسوۂ صحابہ	حضرت ابوبصیرؓ کا اُسوہ	ابوالعباس خان	۱۸
اصلاحِ معاشرہ	دختر کشی عصر حاضر کا ایک اہم اور قابل توجہ مسئلہ	مولانا غیاث الدین دھام پوری	۲۲
"	بچوں کی تعلیم وتربیت کیسے؟	مظفر احسن رحمانی	۲۸
تعاقب فرقِ ضالہ	فتنۂ غامدیت؛ انکارِ حدیث کا شاخسانہ	مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی	۳۰
افاداتِ اکابر	صالحین کی صحبت	مولانا اسرارالحق قاسمی	۳۶
اسلامی آداب	سوتے وقت کے چند اذکار اور ان کی تشریحات	مفتی آصف علی سعید قاسمی	۴۱
فکرِ آخرت	دنیا ایک سرائے ہے	حضرت مولانا نسیم اختر شاہ قیصر	۴۵
فقہ وفتاویٰ	آپ کے شرعی مسائل	ادارہ	۴۸
خبر	عالمِ اسلام کی خبریں	ادارہ	۵۰

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

درسِ قرآن

زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں

مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ص وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا ط (سورۃ النور:۵۵)

ترجمہ: تم میں سے جولوگ ایمان لے آئے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو بنایا تھا، اور ان کے لئے اس دین کو ضرور اقتدار بخشے گا جسے ان کے لئے پسند کیا ہے، اور ان کو جو خوف لاحق رہا ہے اس کے بدلہ انہیں ضرور امن عطا کرے گا۔

تشریح: ماقبل ہجرت قیام مکہ کے دور میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ مشرکین مکہ کی دسیسہ کاریوں اور ریشہ دوانیوں، مستقل سازشوں، ایذا رسانیوں، اچانک ہونے والے حملوں، منصوبہ بند سازشوں سے خوف و ہراس میں رہا کرتے تھے اور کچھ ایسے ہی خوف کے بادل مابعد ہجرت کچھ دنوں اسلام اور اہل اسلام پر منڈلاتے رہے، خوف و ہراس کے اس ماحول میں کسی صحابیؓ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا کبھی ہم پر ایسا وقت بھی آئے گا جس میں ہم بے خوف وخطر ہتھیار لے کر گھوم سکیں اور ایسا کوئی کھلا ماحول بھی ہم کو میسر آجائے کہ ہمارے سانسوں سے پہرے ہٹا دیئے جائیں، یہ آرزو، خواہش ہر آزاد مرد کی ہوتی ہے، صحابیٔ رسول کی کیوں نہ ہو جب کہ انہوں نے مسلسل دس بارہ سال مصائب وآلام جھیلے تھے، پھر ہوا یہ کہ زخمی دل کی آہ عرش پر پہنچی وعدۂ رب لے کر فرش پر آئی، چنانچہ قرآن مجید کی مذکورہ آیت وعدہ استخلاف لیکر نازل ہوئی جس میں

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

خلافت وتمکن فی الارض کی عظیم پیش گوئی موجود ہے، خوف سے جن کے کلیجے پھٹ رہے تھے ان کے لیے اس میں امن کی اور جو لوگ مظلوم ومقہور ہو کر زندگی گذار رہے تھے ان کے لئے اس میں غلبہ اور فتح کی خوشخبری ہے۔

اس آیت میں اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تین چیزوں کا وعدہ فرمایا ہے پہلا وعدہ زمین میں خلافت وحکمرانی، دوسرا غلبۂ اسلام، تیسرا مسلمانوں کو اتنی طاقت وقوت کہ اب کفار کا کوئی رعب دل میں باقی نہ رہ جائے۔

پہلے وعدہ کے سلسلے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات وفرمودات میں کچھ تفاصیل بھی موجود ہیں، ایک مقام پر آپ کا ارشاد مبارک اس طرح منقول ہے خلافت میرے بعد تیس سال چلے گی اور یہ بات طئے ہے کہ اس جگہ خلافت سے مراد خلافت علی منہاج النبوۃ ہے جو یقینا حضرت علیؓ پر ختم ہوگئی اور ایک جگہ یوں ارشاد ہے میری امت کا کام چلتا رہے گا جب تک کہ بارہ خلیفہ رہیں گے اس جگہ یہ بات ذہن نشین کرنے کی ہے کہ یہاں خلفاء کا تسلسل کے ساتھ آنا کوئی ضروری نہیں البتہ اس تعداد کا وقوع قیامت تک ہونا لازم ہے۔

اسلام کا غلبہ، مسلمانوں کی شان وشوکت، امت مسلمہ کو زمین کی خلافت یہ عظیم وعدے بھی ہیں اور نعمت عظمیٰ بھی اور یہ بات اصولی ہے کہ جو وعدے اور نعمتیں جس قدر عظیم ہوتے ہیں اسی قدر ان کے شرائط بھی عظیم ہوتے ہیں؛ آیت کے ظاہر سے دو شرطیں سمجھ میں آتی ہیں، ایک ایمان دوسرا اعمالِ صالحہ جب امت مسلمہ ان دو شرطوں پر کھری اترے گی تو اللہ تعالیٰ اپنا وعدۂ استخلاف فی الارض پورا کر کے رہے گا، کیوں کہ سابقہ امم میں اس کے نظائر موجود ہیں جو امت اعمالِ صالحہ کی خوگر بنی اللہ نے روئے زمین پر ان کو خلافت وحکمرانی سے مالا مال کیا، یہ تصویر کا ایک رخ تھا تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ جو قوم اعمال صالحہ کی پابند نہیں ہوتی ہے ذلت وپستی اس کا مقدر ہو جاتا ہے وہ کثرت کے باوجود محکوم ومظلوم ہوتے ہیں پھر ایسا ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنی پستی، ذلت، نکبت کے اسباب تلاش کرتا ہے ہر زمانہ میں قوم کے رہنما اسباب زوال کے جستجو میں لگ جاتے ہیں ہر ایک کے نزدیک سبب زوال جداگانہ، تعلیمی انحطاط، معاشی بحران، خود اعتمادی کا فقدان، بے زری، قوم مسلم کے مزاج میں بے ثباتی، یہ سب کچھ اسباب وعلل اپنی جگہ ہے لیکن ہمارا اصل مرض کہن کیا؟ اور اس کا علاج کیا؟ ہمارے درد کا درماں کیا ہے؟ اس کی طرف اکثریت کا ذہن نہیں جاتا ہے اور جن کا جاتا ہے ان کی آواز ماحول کی پراگندگی مسلمانوں کی دین بیزاری کی وجہ سے صدا بہ صحرا ثابت ہوتی ہے۔

ہمارا مرض کہن اعمال وادعیہ کا فقدان اور اس کا علاج اپنے آپ کو اعمال صالحہ کا عادی بنانا اور انابت الی اللہ کے ذریعہ روٹھے رب کو راضی کرنا اور ہر مشکل میں اسی کو پکارنا ہے، تو انشاء اللہ وعدۂ رب پورا ہو کر رہے گا۔

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

درسِ حدیث

الٰہی! چار مہلک امراض سے عافیت دیجئے

مولانا خواجہ نصیر الدین قاسمی*

عَنْ اُمِّ مَعْبَدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ: اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَ عَمَلِیْ مِنَ الرِّیَاءِ وَ لِسَانِیْ مِنَ الْکِذْبِ وَ عَیْنِیْ مِنَ الْخِیَانَۃِ فَاِنَّکَ تَعْلَمُ خَائِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرِ (رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر)

ترجمہ: حضرت ام معبدؓ روایت فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا فرماتے ہوئے سنا ہے، الٰہی! میرے قلب کو نفاق سے، میرے عمل کو ریا سے، میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک و صاف فرما، اس لئے کہ آپ خیانت کرنے والی آنکھ کو اور ان باتوں کو بھی جو دلوں میں پوشیدہ ہے خوب جانتے ہیں۔

تشریح: راویۂ حدیث حضرت امِ معبد خزاعیہؓ ہیں، ان کا نام عاتکہ بنت خویلد بن خالد ہے، اُن کے خاوند ابومعبد ہیں، یہ وہی اُم معبد ہیں جنہیں سفرِ ہجرت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کرنے اور آپ کی برکات سے استفادہ کا شرف حاصل ہوا، بعد میں ہجرت کر کے مدینہ پہونچی اور اپنے خاوند کے ساتھ اسلام لے آئیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بہت سی ایسی دعائیں سکھائی ہیں جو انسان کو دنیوی و اخروی مضرات سے محفوظ رکھے اور اپنی دعاؤں میں اللہ سے اِن مہلکات و مفسدات سے پناہ مانگ کر امت کے سامنے عملی اُسوہ پیش فرمایا، مذکورہ حدیث میں ایک ایسی ہی دعا کا ذکر ہے، جس میں مہلک امراض سے اللہ کی حفظ و امان طلب کی گئی ہے۔

اے اللہ! میرے دل کو نفاق سے پاک فرما، نفاق ایمانِ خالص کی ضد ہے، سلامتیٔ قلب یہ ہے کہ آدمی ظاہر و باطن سے اسلام اور دین کی حقانیت تسلیم کرے اور کوئی تردد پیدا نہ ہو، اور نفاق یہ ہے کہ اسلام اور دین پسندی کا لوگوں کے سامنے اظہار ہو لیکن دل میں احکامِ شریعت پر عمل آوری میں تنگی محسوس کرے تو یہ ایسا روگ ہے جو کفر کے دہانے پر پہونچا کر ہی رہتا ہے، اس لئے نفاق کی بیماری اور اس کے عوامل و اسباب سے محفوظ رہنا بندۂ مومن کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

اے اللہ! میرے عمل کو ریا سے پاک فرما، بندہ جو اعمال کرتا ہے وہ حق تعالیٰ جل مجدہ کی رضا کے لئے

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

انجام دے تو وہ بندگی وعبادت بن جاتے ہیں اور غیر اللہ کی رضا کے لئے کوئی عمل ہوجائے تو اعمال بے مقصد اور بے وزن ہوجاتے ہیں اور آخرت میں اسے بڑا خسارہ اٹھانا پڑتا ہے، ریا ونمود کی سنگینی آپ ﷺ کے اس ارشادِ مبارک سے سمجھی جاسکتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خطرہ شرکِ اصغر کا ہے، صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا شرک اصغر کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ریا۔ اس مرض میں بندہ اس خوش فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ میں نے یہ کام خالصۃً للہ کیا، لیکن روزِ محشر اپنے اعمال کو بے وزن دیکھے گا اور اس سے یہ کہا جائے گا کہ جس کے لئے عمل کیا ہے اسی سے بدلہ لے لے، تب اُسے اپنی محرومی وخسران کا اندازہ ہوگا، اس لئے بندۂ مومن کو اس بدعملی سے پناہ مانگنے کی ضرورت ہے۔

اے اللہ! میری زبان کو جھوٹ سے پاک فرما، یوں تو زبان سے بہت سی برائیاں سرزد ہوتی ہیں لیکن جھوٹ ایسی سنگین بیماری ہے جو انسان کی شخصیت کو بے اعتبار کردیتی ہے پھر سماج میں اس کا کوئی قول وقرار معتبر نہیں رہتا، کذب بیانی کے سبب دین ودنیا میں ذلت ورسوائی ہوتی ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جھوٹ سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے، ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے کبائر (بڑے گناہوں) کا ذکر فرمایا جب جھوٹ کا ذکر کیا تو ٹیک لگائے ہوئے تھے سیدھے بیٹھ گئے اور بار بار فرمانے لگے جھوٹ سے بچو، جھوٹ سے بچو، صحابہؓ فرماتے ہیں کہ ہماری تمنا یہ ہوئی کہ کاش آپ سکوت اختیار فرمالیتے۔

معلوم ہوا کہ جھوٹ نہایت مہلک مرض ہے بندۂ مومن کو اُس سے بچنے کا خوب اہتمام کرنا چاہیئے۔

اے اللہ! میری آنکھ کو خیانت سے پاک فرما، آنکھ کی خیانت یہ ہے کہ انسان بدنظری میں مبتلا ہوجائے اور ہر ایسی چیز پر اس کی نظر جانے لگے جس کا دیکھنا اس کے لئے درست نہ ہو مثلاً نامحرم لڑکیوں اور نوعمر بے ریش لڑکوں کو بہ شہوت دیکھنا، یا ایک نظر پڑجانے کے بعد دوبارہ بالقصد دیکھنا، لوگوں کے عیوب تلاش کرنا، کسی پر حقارت کی نظر ڈالنا، اخبارات وجرائد پر نقش یا الکٹرانک وپرنٹ میڈیا پر گشت کرتے فحش مناظر اور برہنہ تصاویر دیکھنا وغیرہ سب آنکھوں کی خیانتیں ہیں؛ جبکہ ایک روایت میں بدنظری کو آنکھوں کا زنا قرار دیا گیا، انسان یہ چاہتا ہے کہ میری آنکھوں کی خیانتیں کسی کے سامنے ظاہر نہ ہوں، اور اس کی تدابیر بھی کرتا ہے اور کچھ حد تک اس میں کامیاب بھی ہوجاتا ہے لیکن اللہ کے نبی ﷺ نے دعا میں یہ الفاظ فَاِنَّکَ تَعْلَمُ خَائِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرِ فرما کر یہ آگاہی دے دی کہ اگرچہ بدنظری اور دلوں کے مخفی مکائد مخلوق کی نگاہ سے تو چھپ سکتے ہیں مگر خالق سے ایک آن بھی نہیں چھپ سکتے، اس لئے بندہ مؤمن کو چاہیے کہ آنکھوں کو بدنظری سے آلودہ نہ کرے، اور دل کو مضر خیالات اور شہوانی جذبات سے محفوظ رکھے تاکہ اُسے حلاوتِ ایمانی نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس دعا کو اپنی اَور دعاؤں کے ساتھ شامل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

پیش گفتار

دینی مدارس کی حفاظت کیجئے

از: مدیر

مسلمان جانیں یا نہ جانیں، پوری دنیا کی اقوام اور حکومتیں جانتی ہیں کہ دینی مدارس کی اہمیت اور سماج پر اس کے اثرات کیا ہیں، یہ تو سب کو معلوم ہے کہ مدارسِ دینیہ اسلامیہ میں تین کام بنیادی طور پر انجام دیئے جاتے ہیں، ۱۔ قرآن کریم ــــ جو کہ کتاب اللہ اور صحیفۂ آسمانی ہے ــــ کا تحفظ، جس میں متعلقہ تمام فنون وعلوم مثلاً تجویدی احکام اور مختلف قراءات کی حفاظت بھی شامل ہے، ۲۔ قرآن وحدیث ــــ جو دین اسلام کے بنیادی مآخذ ہیں ــــ کا لفظی، فنی اور حُکمی تحفظ، جس میں متعلقہ تمام عُلوم بھی داخل ہیں؛ ۳۔ صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کی فکر وروش کے مطابق کتاب وسنت کی عملی مشق۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ مدارسِ اسلامیہ دینِ اسلام کی علمی وعملی حفاظت اور فکری ونظری تربیت کے مراکز ہیں۔

صحابۂ کرامؓ سے لے کر آج تک، صفۂ مدینہ سے لے کر دنیا کے کسی چھوٹے سے چھوٹے مکتب یا بڑی سے بڑی جامعہ تک خواہ وہ کسی ترتیب وشکل میں ہوں مدارسِ دینیہ کا یہی کام رہا اور ہے، ہندوستان میں بھی جس کے طول وعرض پر ایک عرصۂ دراز تک مسلم حکمرانوں نے تاریخ ساز وشان دار حکومت کی ہے علماءِ اسلام کتاب وسنت اور اُن سے مستخرج تعلیمات کے تحفظ کا اپنا فریضہ برابر ادا کرتے رہے؛ اسی وجہ سے مسلمانانِ ہند میں مذہب کا شعور اور عقیدے کی پختگی اتنی مضبوط ہوگئی تھی کہ انگریز اپنے اقتدار اور استبداد کے بل بوتے پر بھی ہندوستانی مسلمانوں کو عیسائی بنانے میں کامیاب نہ ہوسکے، جس کا اعتراف انہی کے زبان وقلم نے تاریخ میں اس طرح محفوظ کردیا ہے کہ جھٹلانے کی گنجائش نہیں رہ گئی۔

لارڈ میکالے نے اسی نامرادی وناکامی کو چھپانے اور اس کی تلافی کرنے کی خاطر انیسویں صدی عیسوی

کے نصفِ اول میں حکومتِ برطانیہ کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ ہندوستان میں ایسے تعلیمی نظام کو لانے کی سخت ضرورت ہے جس کے اثر سے مسلمان رنگ ونسل نام ونمود کے اعتبار سے خواہ کچھ بھی رہیں فکر ونظر کے لحاظ سے توانگریز ہوجائیں، چناں چہ اس متعصب اور اسلام بیزار کرسچین اسکالر کی تجویز کے مطابق عصری علوم کی ترویج اور ملک وقوم کی ترقی کے نام پر سابقہ نظامہائے تعلیم کے مقابلے میں جدید نظامِ تعلیم متعارف کروایا گیا، اس کی جانب ہندوستانیوں ــــ بالخصوص مسلمانوں ــــ کو راغب کرنے کے لئے روشن خیالی اور خوش حالی کے خوش نما ودل فریب نعروں کا سہارا لیا گیا، لیکن اس نظامِ تعلیم سے ان کا اصل مقصد ہرگز یہ نہ تھا کہ لوگ ــــ خوش حال ہوجائیں، بل کہ ان کا اصل مقصد وہی تھا جو لارڈ میکالے نے ۱۸۳۵ء میں اپنی حکومت کے سامنے رکھا تھا، یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر تحریک اپنے بانی ومصوّر کے ذہنی خطوط پر چلتی ہے؛ ماڈرن ایجوکیشن کا یہ مشن یا کہئے لارڈ میکالے کی یہ تحریک بھی اسی کی گائیڈ لائن پر چلی۔

اس جگہ یہ حقیقت ملحوظ رہنی چاہیئے کہ علماءِ کرام عصری علوم وفنون کی اہمیت کے کبھی مخالف نہ رہے، کوئی عام عقلمند بھی ان کا مخالف نہیں ہوسکتا چہ جائے کہ کتاب وسنت کے حاملین؟ ان کو اختلاف ہمیشہ اسی چیز سے رہا جس کا اظہار اقبال مرحوم جیسے تجربہ کار اور جدید وقدیم سے واقف شخصیت نے اپنے اس شعر میں کیا ہے ؎

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

صدیوں پرانے شاہانہ اقتدار سے محروم اور نفسیاتی طور پر کامیاب مستقبل سے مایوس مسلمانوں کا ایک طبقہ ترقی کے ان خوش نما اور دل فریب نعروں کے پردے میں چھپے اسلام دشمن مقاصد کو سمجھ نہیں پایا؛ مذہبی روایات کو مُلّا کی ضد اور تہذیبی امتیازات کو دقیانوسیت قرار دیتے ہوئے جوق در جوق تعلیمی تبدیلی کے اس بھنور میں پھنستا چلا گیا، جس کے نتیجے میں وہ دن بھی آیا کہ اس طبقے میں نہ تو اسلامی روایات کی پختگی باقی رہی نہ ہی تہذیبی تشخص کا کچھ نام ونشان قائم رہا، کالج کلچر اور انسانی حقوق کے حوالے سے پیدا شدہ اختلاطِ مرد وزن یا کوایجوکیشن نے حُرمتِ نسوانی اور حیاءِ انسانی کو بھی تاریک دور کی مکروہ باقیات قرار دے کر خیر باد کہہ دیا، علماءِ کرام سر پیٹتے رہے اور اہلِ خبر ونظر اللہ رسول کی دُہائی دے دے کر دشمن کو دشمن بتاتے رہے اور کہتے رہے کہ مادّی علوم سے ہمیں کوئی بیر ہے نہ ہی اُن کے حصول پر کوئی اشکال واعتراض مگر جو خطرہ اور خدشہ متفکر وبے چین کر رہا ہے وہ دین سے دوری وخدا بیزاری کا خدشہ ہے، کاش! اس وقت کے مسلمان بصارت کے دھوکے پر بصیرت کی صداقت کو

ترجیح دے سکتے مگر اے بسا آرزوئے کہ خاک شدہ![1]

انگریز نے ہندوستان میں کیا یہ کامیاب انقلابی تجربہ پھر پورے عالم اسلام پر مسلط کر دیا، ــــ تفصیل میں گئے بغیر کہنا چاہتا ہوں کہ ــــ تقریباً تمام ممالکِ اسلامیہ بالقصد یا بالفریب اس سے کبھی کے متاثر ہو چکے ہیں، ایک سعودی عرب بہت حد تک اسلامی تعلیم وتہذیب کا محافظ سمجھا جاتا تھا سو امریکہ کی نئی قیادت نے معلوم ہوا ہے کہ "مذہبی تعلیم میں تشدّد کو ختم کر کے اعتدال پیدا کرنے" کے بہانے وہاں ایک خصوصی شعبہ قائم کر کے اپنی نگرانی میں تبدیلیٔ نصاب کا کام شروع کر دیا ہے، یہ کام ظاہر ہے کہ سعودی عرب کی رہی سہی مذہبی شناخت کے خاتمے پر منتج ہو کر ہی ختم ہوگا، وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ کاش! اس قوم کا کوئی غیرت مند وجرأت مآب بندہ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ کہنے کے لئے کھڑا ہو جاتا اور نسبتِ حرمین شریفین ــــ زادھما اللہ شرفا و حفظا ــــ کی لاج رکھ لیتا۔

خیر! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہندوستان میں انگریز اپنے اقتدار واختیار اور ظلم واستبداد کے ذریعے جب اسلام اور مسلمانوں کو مسخر نہ کر سکے تو انہیں ترقی وخوش حالی کے نام پر اغواء کر کے اپنی تعلیم گاہوں میں داخل کیا اور ان کی فکر ونظر کو اس طرح بدل دیا کہ دشمنانِ اسلام اپنی اسلام دشمنی سے اسلام کو وہ نقصان نہ پہونچا سکے جو ان انگریزوں کے مرہون ومرعوب مسلمانوں نے پہونچایا، تاریخِ اسلام کی تیرہ صدیوں میں رہ رہ کے اور وقفے وقفے سے جتنے فتنے اٹھے تھے اور جنہیں علماء ربانیین نے اپنے اپنے زمانوں اور علاقوں ہی میں مغلوب کر کے رکھ دیا تھا وہ سب فتنے تیرہویں صدی کے دوران انگریزوں کے نظامِ تعلیم اور اندازِ تفہیم کے ذریعے مسلمانوں کے دائرہ فکر میں داخل ہوتے چلے گئے؛ اعتزال وخروج، رفض وجحود، شیعیت وجہمیت، انکارِ حدیث وانکارِ اجماع

---

[1] یہ عجیب لطیفہ ہے کہ عین ان سطور کے لکھتے وقت یہ خبر اخباروں اور سوشل میڈیا پر گشت کر رہی ہے کہ انگلینڈ کے جدید ترین سروے اور تجزیئے کے مطابق ملک کی نصف سے زائد تعداد اپنے کو مذہبی کہنے سے گریزاں اور لا مذہبیت وسیکولرزم پر فخر کناں ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ نظامِ تعلیم ہی آدمی کو خدا بیزار اور دین سے نفور بنانے والا ہے، اگرچہ عیسائیوں نے تہذیب جدید کی یہ قبر اسلام کو دفن کرنے کے لئے کھودی تھی مگر اسلام سے زیادہ عیسائیت اس میں دفن ہونے کے لئے بے تاب وبے قرار نظر آرہی ہے اور نصف سے زیادہ ہو بھی چکی ہے۔
ان خبروں میں کچھ استبعاد بھی نہیں کیوں کہ آج سے کوئی دس سال قبل راقم سطور نے لارڈ میکالے کے وطن انگلینڈ میں ایک مہینہ گذارا تھا کئی ایسی مساجد میں نماز پڑھنے کا موقعہ ملا جو پہلے چرچ کی عمارت تھیں مسلمانوں نے خرید کر مسجد بنادی اور کئی ایسے چرچ دیکھنے کی نوبت آئی جس میں اتوار کے دن صبح تا شام بیچارہ فادر عبادت گذاروں کو ترستا رہا مگر ایک بھی داخل نہ ہوا، اس کے برخلاف دینی درسگاہوں، دینی محنتوں اور علماء کی فکروں کی برکت سے انہی چرچوں سے بنی مسجدوں میں مصلیوں کی ایک بڑی تعداد نمازوں کے لئے پہونچتی دکھائی دیتی رہی، فاللہ غالب علی امرہ

وانکارِ اجماع، تفسیر بالرائے اور انحراف عن الاسلاف وغیرہ بیسیوں گمراہیوں کا ملغوبہ اعجاب کل ذی رأی برأیہ کی شان میں ہر طرف پھیلتا چلا گیا، ایسے ایسے شارحینِ حدیث اور مفسرین ومجددین وجود میں آئے کہ عقل حیران اور سمجھ انگشت بہ دنداں رہ گئی، یہ انگریزی نظامِ تعلیم کے تربیت یافتہ اور ملحد و بے دین ماحولوں کے پروردہ اپنے کو روشن خیال ومجتہدِ زمانہ سمجھتے ہوئے علماءِ دین اور فقہائے اسلام کو آؤٹ آف ڈیٹ یا ازکارِ رفتہ ودقیانوس قرار دینے لگے، عہدِ رسالت سے لے کر تیرہویں صدی کے آغاز تک کتاب وسنت کی جو علمی وعملی وراثت بعینہٖ محفوظ چلی آرہی تھی، وہ مغربی آقاؤں کے کاسہ لیسوں کی بدولت معرضِ خطر میں پڑ گئی بلکہ بہت حد تک مخدوش وغیر محفوظ ہونے لگی۔

ان لوگوں نے اسلام کے بنیادی علوم سیکھے بغیر ہی دینِ اسلام کا خانہ ساز تصوُّر پیش کیا، کتاب وسنت پر کامل نظر اور ضروری اُصول سے بے خبری کے باوجود کتاب وسنت کے مفاہیم ومعانی میں دخل دینا شروع کیا، یورپین اسکالرز کے عمداً پیدا کردہ الزامات سے جان چھڑانے کے لئے عملاً ان کے ہم نوائی شروع کر دی، مقاصدِ شریعت تک پہونچنے اور کتاب وسنت کی وضاحت کرنے کے لئے کسی قابلیت واہلیت اور متعلقہ علوم کی ضرورت سے انکار کرتے ہوئے اللہ کی کتاب کو ہر بوالہوس کا تختۂ مشق بنا دیا، حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حجیت کا یا تو انکار کر بیٹھے یا پھر اُن کے موجود ومحفوظ ہونے میں شک پیدا کر دیا، فقہ اسلامی کو ملّا کی پیداوار اور دین میں اضافے سے تعبیر کر کے ناقابلِ اعتبار ٹھہرایا، تہذیب کو مذہب کا حصہ ماننے سے انکار کرتے ہوئے خیر القرون سے چلی آئی تہذیب اسلامی کو یک لخت خیر باد کہہ دیا، اور مغربی تہذیب کا زوردار استقبال اور والہانہ استعمال شروع کیا، پھر علمِ دین سے جاہل لوگوں کی ایک بھیڑ ان کے پیچھے آنکھ بند کر کے چل پڑی۔

یہ ملک کی وہ صورت حال تھی جس نے اس وقت کے علماءِ ربانیین اور دین کے محافظین کو متفکر اور بے چین کر دیا، انہوں نے علومِ اسلامیہ کے ــــ سلف کی تشریح اور تعامل کی روشنی میں ــــ تحفظ کو اولین ترجیح دی اپنی محنت اور قوم کی ضرورت کے دیگر محاذوں کو ایک طرف چھوڑ کر علومِ اسلامیہ کی اپنی اصل شکل میں حفاظت کا بیڑہ اٹھایا، انگریز مناظروں اور اُن سے شہ پا کر میدان میں اُترے ہندو راہنماؤں اسی طرح ملحد و بے دین ملّاؤں کا مضبوط مقابلہ کیا، الحاد وارتداد کے لئے تیار ذہنوں کو بچایا، محافظینِ اسلام کی ٹیمیں تیار کرنے کے واسطے ''مدارسِ اسلامیہ'' کی وہ تاریخ ساز اور کامیاب تحریک چلائی کہ لارڈ میکالے اور اس کی سرپرست حکومت کو اپنے اس قول کی اوقات سمجھ میں آ گئی۔

''برطانیہ کی کسی اچھی لائبریری کے ایک خانے میں موجود کتابیں تمام ہندوستانی اور عربی علوم سے کہیں بہتر ہیں''

یہ ہے ہندوستان میں مدارسِ اسلامیہ کے وجود کا پس منظر اور ان کے جہد کا اثر، سچی بات یہ ہے کہ انگریز نے ہندوستانی مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے اپنے دوسو سالہ اقتدار میں وہ سب کچھ کیا جو کوئی مغرور حکومت اور دشمن قوم کرسکتی تھی، مگر مدارسِ اسلامیہ اور علماء کرام نے بھی اللہ تعالیٰ کی نُصرت اور اس کے فضل کے صدقے ملت کو اس کے نتائج بد سے محفوظ رکھنے میں بے مثال کامیابی حاصل کی ہے، وہ اہلِ مدارس ہی تھے جنہوں نے اس ظالم وغاصب قوم کو ملک بدر ہونے پر مجبور کیا اور تحریکِ آزادی کے سرخیل وہراول قرار پائے، وہ اہلِ مدارس ہی تھے جنہوں نے فنڈرو آتھم جیسے عیسائی مبلغین کے گھٹنے ٹکوائے ، وہ اہلِ مدارس ہی تھے جنہوں نے دیانند سرسوتی جیسے زیرک وچالاک ہندو مناظر سے جگہ جگہ شکست تسلیم کروائی، وہ اہلِ مدارس ہی تو تھے جو غلام احمد قادیانی جیسے ملعون اور غلام احمد پرویز جیسے ملحد کے تعاقُب میں سربکف میدان میں اُتر آئے، وہ اہل مدارس ہی ہیں جو آج بھی ہر نئے فتنے کی نشان دہی وسرکوبی کے لئے کسی ملامت کی پروا اور کسی خطرے کا کھٹکا کئے بغیر برابر اپنا فریضہ انجام دئے جارہے ہیں، اور اسی وجہ سے ملک کے حکمرانوں اور مغربی آقاؤں کی راہ کا روڑا اور آنکھ کا کانٹا بنے ہوئے ہیں۔

اس وقت مغربی قیادتیں ساری دنیا میں ملّاؤں کی نظر اور مدارس کے اثر سے مسلمانوں کو دور رکھنے کی ہر ممکن سعی کررہی ہیں، تاکہ دین کے قدیم وصحیح تصوُّر کی جگہ مغربی والحادی تصوُّر سے مسلمانوں کو مطمئن کرکے اُن کے سینوں میں محبتِ الٰہی اور عشقِ مصطفوی کی آگ سرد کردیں، اس کے لئے وہ اپنے تعلیمی نظام کے زہر سے مسموم دماغوں کا بھرپور استعمال کررہی ہیں، پرائے تو بہرحال پرائے ہیں افسوس کی بات یہ ہے کہ خود اپنے بھی دانستہ یا نادانستہ اس مہم میں شامل ہوگئے ہیں، مدارسِ اسلامیہ اور اس کے موادِ تعلیم یعنی نظام ونصاب کے بارے میں اپنوں ہی کے اتنے تبصرے اور مشورے سامنے آتے ہیں کہ شائد مسلمانوں کے کسی اور مسئلے کے سلسلے میں ان کی فکریں اور ہمدردیاں اس قدر پیش نہیں کی جاسکتیں، حالاں کہ ملک میں مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والوں کا فی صد برائے نام ہے، آخر چھیانوے فی صد کے مقابلے میں چار فی صد مسلم بچوں ہی کے سدھار اور معاش کی فکر ساری دنیا پر کیوں سوار ہے؟ چھیانوے فی صد مسلم بچوں کے کتنے مسائل ہیں جو ان کی زندگیوں کو تلخ کررہے ہیں حکومتوں اور خیرخواہوں کو اُن پر رحم کیوں نہیں آتا، دلّی سے لے پٹنگان تک، حکمران سے لے کر عوام تک اور پرایوں سے لے کر اپنوں تک سب کے سب مدارس اسلامیہ میں پڑھنے والی اور علمِ دین حاصل کرنے والی ناقابلِ ذکر تعداد ہی کے کیوں خیرخواہ بنے ہوئے ہیں؟ یہ سوال ہے اور بہت اہم سوال ہے جس پر کم ازکم مسلمانوں کو تو غور کرنا چاہیئے۔

مدارس کے پاس نہ کوئی اسلحہ ہے، نہ کوئی مالی طاقت، نہ عددی کثرت، نہ سیاسی قوت، بس امن وامان اور

ادب واحترام کے ساتھ صبح سے رات دیر گئے تک قال اللہ وقال الرسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذریعہ اپنے عقیدے اور نبوی اعمال واخلاق کے تحفظ میں لگے رہتے ہیں، نہ کوئی سیکوریٹی ہے نہ کسی قسم کی رازداری، کوئی آئے کسی وقت آئے اور کیا کچھ ہوتا ہے دیکھ جائے، پھر بھی دہشت وبدامنی کے تمام خدشات وخطرات اسی طبقے سے کیوں جوڑے جارہے ہیں؟ اور سب سے زیادہ قابل فکر اور لائقِ تبدیلی کیوں قرار دیا جارہا ہے؟ جواب میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ یہ علماء اور یہ مدارس ہی دینِ اسلام کے مدنی تصوُّر کے محافظ اور مغربی تصوُّر کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں، جب تک انہیں ختم نہیں کیا جائے گا اسلام کی برکتوں کے باقی رہنے اور غالب آنے کا خطرہ ختم نہ ہوسکے گا۔

مدارسِ اسلامیہ کے خاتمے کے لئے ہماری مرکزی وصوبائی حکومتیں رہ رہ کر جو منصوبے بنارہی اور دائرہ تنگ کرتی رہی ہیں وہ تو قابلِ توجہ ہیں ہی؛ اس سلسلے میں مخلص مسلمانوں سے بھی کچھ غلطیاں ہورہی ہیں، ہمیں یقین ہے کہ اُن کا مقصد خیر خواہی اور بھلائی ہی ہے مگر نقصان کے پہلو اُن سے پوشیدہ ہیں؛ مثلاً انگلش میڈیم اسکولوں میں مسلم بچوں کی محض اسلامی وایمانی تربیت کا اہتمام بہت کافی تھا مگر انہوں نے اپنے اسکولوں میں شعبۂ حفظ بھی قائم کرنے شروع کردیئے، اور اس کے لئے بہت سی ترغیبات وترجیحات کی پیش کشیں رکھ دیں، ان حضرات نے یہ نہ سوچا کہ اس کے نتیجے میں متمول طبقے کی جو مختصر تعداد مدارس میں پڑھنے کی وجہ سے علومِ دینیہ کی حامل ہوسکتی تھی اور جن کے عالم بننے کی سماج کو ہر اعتبار سے سخت ضرورت ہے وہ سہولتوں اور راحتوں کی خاطر علمِ دین کے میدان میں آگے نہ بڑھ سکے گی، اسی طرح بعض عصری مدارس نے ازراہِ خیر خواہی حفاظ کرام کے لئے عصری علوم میں ترقی کی صورتیں نکال کر رعایتی یا مفت تعلیم فراہم کرنے کی تشہیر شروع کی ہے، ان مخلص بھائیوں کی نظر سے یہ حقیقت اوجھل ہے کہ علمِ دین حاصل کرنے کے لئے مدارس دینیہ میں آنے والے طبقے کی ایک بڑی تعداد عصری علوم کے مصارف کا تحمل نہ ہونے کی وجہ سے آتی ہے، پھر توفیقِ الٰہی سے حافظ وعالم بن کر محراب ومنبر کی زینت اور راہنمائے ملت ہونے کا شرف حاصل کرلیتی ہے، ان کے لئے معاشی میدانوں میں قدم رکھنے کے سنہرے آفر زہوں گے تو یہ حافظ بننے والے طلبہ عالمیت کے شعبے میں آگے بڑھنے کے بجائے عصری علوم کا رُخ کریں گے، آپ اندازہ کریں کہ مال دار طبقہ اُس طرح مدارس سے دور ہوا اور نادار طبقہ اِس طرح! تو آگے چل کر کیا ہوگا؟[1] کیا اس طرح ہم خالص علمِ دین حاصل کرکے اور معاشی تنافس وترقی سے علاحدہ رہ کر

[1] ہماری ریاست میں تو اقامتی اسکولس کا قیام بھی مدارسِ اسلامیہ کے بقاء پر سوالیہ نشان بن رہے ہیں، اُمیں اگرچہ مسلم بچوں اور بچیوں کی مفت تعلیم اور بہتر نگہداشت کی جارہی ہے مگر اس کی وجہ سے اضلاع وقصبات کے دینی مدارس میں طلبہ کا رجوع کافی متأثر ہوا ہے، نیز موجودہ سربراہ کے بعد ایسا فرض شناس سربراہ آئندہ نہ مل سکا تو اندیشہ ہے کہ کہیں یہ اسکول مسلم بچوں کی ہی اجتماعی گمراہی کا سبب نہ بن جائیں۔ والعیاذ باللہ۔

اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت، عقیدۂ حق اور فکر سلف کی منّ وعن اشاعت کا فریضہ ادا کرنے والی مختصر سی جماعت کو بھی کم زور یا ختم کرنے کے ذمہ دار نہیں کہلائیں گے؟

آخر میں مدارس کے ذمہ داروں سے بھی دردمندانہ گذارش ہے کہ نظم ونسق کی عمدگی، تعلیمی پختگی اور مالیاتی شفافیت ودرستگی ـــــ جو ہمارے اکابر کے کام کی خاص شان تھی ـــــ کی جانب خصوصی توجہ دیں، سدھار لائیں اور معقول شکایات کا ازالہ کریں ورنہ ہماری بے حسی اور اہم مسائل سے بے اعتنائی تحریکِ مدارس کے متأثر ہوجانے کا یقینی سبب بنے گی اور ہم ہی سب سے بڑے مجرم قرار پائیں گے عنداللہ بھی عندالناس بھی۔

*****

رَبَّنَا

مُرتب: عبدالرحمن کوندو

عمدہ کاغذ، اعلیٰ طباعت اور حنا کی چھپائی کے ساتھ

صفحات: ۱۱۲	سائز: 20x30/16	ایڈیشن ۲۰۱۷ء	ہدیہ: ۵۵ روپے

اس کتاب میں قرآنِ کریم کی وہ چالیس (۴۰) دعائیں مع ترجمہ جمع کی گئی ہیں جن میں **رَبَّنَا** (اے ہمارے رب!) کا لفظ آیا ہے۔ ابتداء میں مرتب کے قلم سے ۵۵ صفحات پر مشتمل مفصل پیش لفظ ہے جس میں دعا کی فضیلت، دعا کے دستیاب مجموعوں کا تذکرہ، لفظِ 'رب' کی لغوی واصطلاحی تشریح، قرآن پاک میں مذکور انبیائے کرام کی دعائیں اور احادیث کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند جامع اور پراثر دعائیں درج کی گئی ہیں۔ کتاب کے آخر میں مشہور تفاسیر کی مدد سے ان چالیس دعاؤں کی مختصر مگر جامع تشریح کی گئی ہے، جس سے ان دعاؤں کے موقع ومحل اور معانی کی وضاحت ہوجاتی ہے۔

جو حضرات اس کتاب کو مفت تقسیم کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے قیمت میں خصوصی رعایت کی جائے گی۔

ملنے کا پتہ: جموں اینڈ کشمیر اسلامک ریسرچ سینٹر
نورنگر، ڈاکٹر علی جان روڈ، زونی مر، سرینگر ۱۹۰۰۱۱ کشمیر

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا:

یہ حارث بن حزن الہلالیہ کی بیٹی ہیں۔

آپ ﷺ کی زوجیت میں:

قبول اسلام سے پہلے ان سے مسعود بن عمرو ثقفی نے نکاح کیا، پھر انہوں نے ان سے مفارقت اختیار کرلی ان سے ابورہم بن عبدالعزی نے نکاح کیا، یہ فوت ہوگئے، پھر ان سے ذی قعدہ سن سات ہجری کو عمرۃ القضاء سے فراغت کے وقت آپ ﷺ نے نکاح فرمایا، مقام سرف میں "وداعی" ہوئی۔

ان کا نسب مبارک:

آپ نبی کریم ﷺ کی زوجۂ محترمہ، حضرت عباس ؓ کی زوجہ محترمہ ام الفضل کی بہن، خالد بن الولید اور ابن عباس کی خالہ ہوتی ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ان کا اسم گرامی "میمونہ" رکھا:

مجاہد فرماتے ہیں: ان کا نام دراصل "برہ" تھا، ان کا نام رسول اللہ ﷺ نے "میمونہ" رکھا، یہ سادات گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں، ان سے کئی ایک احادیث بھی مروی ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کی وفات:

یزید بن اصم کہتے ہیں کہ حضرت میمونہ ؓ نے اپنے سر کا حلق کیا تھا، جس وقت ان کا انتقال ہو رہا تھا، تو بال اُگ آنے کی وجہ سے ان کا سر کالا ہو چکا۔ (شاید کہ حضرت میمونہ تک عورت کے حلق نہ کرنے کی روایت نہ پہنچی ہو) خلیفہ کہتے ہیں: یہ سن 51 ہجری میں وفات پا گئیں۔

زینب بنت رسول اللہ ﷺ:

رسول اللہ ﷺ کی بڑی صاحبزادی ہیں، والدہ حضرت خدیجہؓ کے حین حیات ان کا نکاح ابوالعاص سے ہوا، ان سے ایک لڑکی "امامہ" تولد ہوئیں، جن سے حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد نکاح کیا، اور ایک لڑکا "علی بن ابی العاص" تولد ہوئے، جن کے سلسلے میں روایات میں آتا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ ان کو اپنے پیچھے بٹھا کر چلے تھے، شاید یہ بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے؛ حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر کے قبول اسلام کے چھ سال پہلے ہی اسلام قبول فرما کر ہجرت فرمائی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ روانہ فرمایا، جس میں میں بھی شامل تھا اور فرمایا کہ اگر ہبار بن الاسود، نافع بن عبد عمرو سے تمہاری ملاقات ہو جائے تو ان دونوں کو جلا دو، کیونکہ انہوں نے حضرت زینب کے ہجرت کے موقع پر ان کے جانور کو بھڑکایا تھا، یہ اسی زخم میں انتقال فرما گئیں پھر فرمایا: ان دونوں سے تمہارا سامنا ہو جائے تو ان دونوں کو قتل کر دو، کیوں کہ کسی کو اللہ کے عذاب (آگ سے جلا) دینے کا حق نہیں ہے۔

یزید بن رومان سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی، نماز سے فراغت کے بعد حضرت زینب نے حجرے کے آڑ سے آواز دی: اے لوگو! میں نے ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دی ہے، نبی کریم ﷺ نے یہ بات سنی تو فرمایا: مجھے اس کا علم نہیں، کہ لوگوں کا معمولی شخص ان کو پناہ دے سکتا ہے۔

حضرت زینبؓ کی وفات:

سن آٹھ ہجری کے اوائل میں وفات پا گئیں۔

ام عطیہؓ سے مروی ہے فرماتی ہیں: جب حضرت زینب وفات پا گئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو طاق عدد میں غسل دو، تین دفعہ یا پانچ دفعہ، اور آخر میں کافور یا کافور جیسی چیز استعمال کرو، جب اس کے غسل سے فارغ ہو جاؤ تو اطلاع دینا، جب یہ غسل سے فارغ ہو گئیں، تو آپ نے ان کو اپنا ازار دیا اور فرمایا اس کو شعار بناؤ (جسم سے متصل کپڑا بناؤ) اور دیگر کپڑوں کو دثار۔

اسوۂ صحابہؓ

حضرت ابوبصیرؓ کا اسوہ

ابوالعباس خاں

ہجرت کے چھٹے سال رسول اللہ ﷺ نے ایک خواب دیکھا کہ آپؐ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ یہ خواب سنتے ہی صحابہ کرام کے دلوں میں بیت اللہ کی محبت اور شوق کی دبی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھی، اگرچہ مکہ کی تپتی وسلگتی ریت میں انھیں تڑپایا گیا تھا، سخت سے سخت اذیتیں دی گئیں تھیں، گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا تھا لیکن خانہ کعبہ کی محبت ان کے دل میں اک پھانس کی طرح چبھی ہوئی تھی، جس سے فرقت ومہجوری کے جذبات رِسا کرتے تھے۔

تقریباً چودہ سو جاں نثار آقائے مدنی کے ہمراہ روانہ ہوئے، منزل مکہ مکرمہ تھی اور مقصد صرف بیت اللہ کی زیارت اور عمرہ تھا، کوئی ہتھیار پاس میں نہ تھا سوائے اس تلوار کے جو سفر کا لازمی حصہ تھی، اور وہ بھی نیام میں، قربانی کے جانور ساتھ تھے، گلے میں نعل پڑے تھے جو قربانی کی علامت تھی۔

قریش مکہ کو خبر ہوئی، وہ جوش جنگ سے بھر گئے، سمجھے کہ جنگ یقینی ہے، سرگرمیاں بڑھ گئیں، کچھ چھیڑ چھاڑ بھی شروع ہوئی، لیکن نبی رحمت ﷺ نے کہلا بھیجا کہ جنگوں نے قریش کی حالت تباہ کر رکھی ہے، اب بہتر ہوگا کہ کچھ مدت کے لیے صلح کر لیں، اگر یہ منظور نہیں تو میں آخری سانس تک جنگ کے لیے تیار ہوں۔ قریش کے ہوش مندوں ودانشوروں نے اسی میں عافیت سمجھی اور گفت وشنید کے بعد صلح منظور ہوئی۔

سہیل بن عمرو قریش کا نمائندہ تھا، صلح کی دفعات مرتب ہونے لگیں، ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ مکہ کا کوئی مسلمان اپنے ولی کی مرضی کے بغیر آنحضور ﷺ کے پاس آئے گا تو واپس کر دیا جائے گا، لیکن مدینہ سے کوئی مکہ کو آئے گا تو واپس نہیں کیا جائے گا۔ یہ دفعہ کھلے طور پر زیادتی اور من مانی تھی، اتفاق کی بات صلح نامہ مرتب ہو ہی رہا تھا کہ خود سہیل بن عمرو کے فرزند ابوجندلؓ وہاں آ پہنچے، پاؤں میں بیڑیاں، بدن پر زخموں کے نشان، لڑکھڑاتے سنبھلتے صحابہ کے سامنے گر پڑے، مدتوں سے قریش کی قید میں تھے اور اپنے اسلام کی قیمت چکا رہے تھے۔ سہیل نے کہا کہ صلح کی تعمیل کا یہ پہلا موقع ہے، انھیں ہمارے حوالہ کر دو۔ نبی ﷺ نے کہا کہ ابھی صلح

مکمل نہیں ہوئی، انھیں یہیں رہنے دو، سہیل نے ایک نہ مانی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی دفعہ اصرار کیا تو اس نے کہا کہ پھر ہمیں صلح منظور نہیں، مجبوراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی بات ماننی پڑی اور ابوجندلؓ کو ان کے حوالہ کر دیا گیا۔

قریش کی قید سے بچنا آسان نہ تھا، ابوجندلؓ جان پر کھیل کر آئے تھے، زخموں سے چور بچتے بھاگتے نڈھال تھے، درد و کرب کے ساتھ پکار اٹھے کہ اے مسلمانو! میرے زخموں کو دیکھو، میری حالت کو دیکھو، کیا تم مجھے اسی حال میں دیکھنا چاہتے ہو؟ کیا تم پھر مجھے کافروں کے حوالہ کرتے ہو؟! مسلمان تڑپ اٹھے، تلواریں کھنچ ہی جاتیں، خون کی ندیاں بہہ ہی جاتیں لیکن معاہدہ ہو چکا تھا، مسلمانوں نے دل پر پتھر رکھ لیا۔ یہ صلح ہر حال میں ضروری تھی، یہ ایک انقلاب انگیز صلح تھی، فتح مکہ کا پیش خیمہ اور عالمی فتوحات کا دیباچہ تھی۔

ابوجندلؓ کو بیڑیوں میں جکڑا گیا، وہ چیختے چلاتے رہے لیکن ان کی آواز حدیبیہ کی وادی میں گونج کر خاموش ہوگئی، سسکیوں اور ہچکیوں کی سوغات لیے بوجھل قدموں کے ساتھ وہ مکہ کو روانہ ہوئے، دماغ میں مکہ کا قید خانہ گردش کرنے لگا، وہاں کی سختیاں نگاہوں میں گھومنے لگیں، بالآخر ایمانی قوت نے بدن میں حرارت پیدا کر دی، وہ موقع کی تلاش میں رہے، سفر لمبا اور راستہ پر پیچ تھا، اتفاق کی بات کفار کی گرفت کچھ ڈھیلی ہوئی اور ابوجندلؓ نے اپنا پیدائشی حق حاصل کیا اور آزاد فضاؤں میں اہل مکہ و اہل مدینہ کی گرفت سے روپوش ہو گئے۔

صلح حدیبیہ کو ابھی چند دن بھی نہ گذرے تھے کہ مکہ کا قید خانہ ایک بار پھر ٹوٹا، اور ایک نئے قیدی نے آزاد فضاؤں میں سانسیں لینے کا اعلان کر دیا، یہ صحابی حضرت ابوبصیرؓ تھے، آزاد ہوتے ہی وہ مدینہ منورہ پہنچے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، مشرکین مکہ کو خبر ہوئی، فوراً اپنے ہرکارے دوڑائے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حدیبیہ کا معاہدہ یاد دلایا، اور ابوبصیر کی واپسی کا مطالبہ کیا۔

ابوبصیر لرز اٹھے، یہ کیسا مطالبہ ہے؟! یہاں پناہ نہیں ملے گی تو کہاں ملے گی، مسلمان سہارا نہیں دیں گے تو کون دے گا؟! بے شک ابوبصیر کمزور نہیں تھے، وہ کفار کی سختیوں سے ٹوٹے نہیں تھے، انھیں معلوم تھا کہ اسلام کی قیمت ہر حال میں چکانی ہے، لیکن وہ ایمان کا سودا نہیں کر سکتے تھے، کفار ان کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرتے تھے، انھوں نے لجاجت سے کہا، ساری امیدوں کے ساتھ کہا: ''اے اللہ کے رسول! آپ مجھے ان مشرکین کے پاس بھیجتے ہیں جو مجھے دین سے پھیرنا چاہتے ہیں۔''

ایک بار پھر مسلمانوں کا وجود تڑپ اٹھا، ایک بار پھر تلواریں نیاموں سے نکلنے کو مچل اٹھیں، ایک بار پھر ضبط و برداشت کی ساری حدیں مٹنے کو بے تاب ہوگئیں، لیکن رسول کا فرمان سب سے اونچا ہے، اس کے سامنے ساری خواہشیں، آرزوئیں، تمنائیں اور سارے تقاضے خس و خاشاک سے بھی کمتر ہیں۔ معاہدہ کی پابندی کی گئی، ابوبصیر کو مشرکوں کے حوالہ کر دیا گیا اور صحابہ کرام اپنے بھائی کی مظلومیت، اس کی بے بسی و لاچارگی پر خاموش خدا

سے فریادی رہے۔

مشرکین ابوبصیر کو لے کر روانہ ہوئے، وہ صرف دو ہی تھے، راستہ میں پڑاو ڈالا، ابوبصیرؓ نے ایک سے کہا تمہاری تلوار بہت عمدہ معلوم ہوتی ہے، یقیناً یہ بہت قیمتی ہوگی تم نے بڑے جوہر دکھائے ہوں گے، اپنی تعریف سن کر وہ شیخی میں آ گیا، تلوار لہراتے ہوئے کہا کہ خدا کی قسم کی یہ بہت ہی عمدہ تلوار ہے، میں نے بارہا اس کو آزمایا ہے۔ ابوبصیر نے کہا کہ ذرا مجھ کو بھی دکھلاو۔ انجام سے غافل، اپنی بدبختیوں سے بے پروہ اس شخص نے تلوار ابوبصیر کو تھمادی اور پھر دوسرے ہی لمحہ وہ تلوار آسمان میں چمکی، اور چشم زدن میں اس مشرک کا کام تمام کر گئی۔ یہ منظر دیکھ کر دوسرا شخص حواس باختہ ہو گیا، جان بچا کر بھاگا اور سیدھے مدینہ پہنچ کر دم لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ماجرا بیان کرتے ہوئے کہا کہ حضور! میرا ساتھی تو مارا گیا، اب میری باری ہے، خدارا مجھے بچا لیجیے۔ پیچھے ابوبصیر بھی آ پہنچے، عرض کیا: حضور! آپ نے مجھے واپس کر دیا تھا، آپ نے اپنا وعدہ پورا کیا، میرا ان سے کوئی معاہدہ نہیں، اب میں آزاد ہوں، بالکل آزاد!

مکہ میں مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی، نت نئی زیادتیاں روا تھیں، رسیوں میں باندھے جاتے، گلیوں میں گھسیٹے جاتے، پتھر مارے جاتے، سر پھوڑے جاتے، تپتی ریت پر گرائے جاتے، بھاری پتھروں سے دبائے جاتے، وہ صرف اللہ اللہ کرتے اور پڑے رہتے، کوئی سہارا نہ تھا، مکہ میں جینا مشکل تھا، اور مدینہ کی راہوں کو معاہدہ کی شرطوں نے مسدود کر رکھا تھا، لیکن جلد ہی انھیں یہ خوش کن خبر بھی پہنچ گئی کہ بیکس وستم رسیدہ لوگوں کے لیے ابوبصیر ایک مضبوط پشت پناہ ہیں۔

ابوبصیرؓ نے ساحل سمندر پہ پناہ لی، جلد ہی ابوجندل بھی ان کے پاس آ پہنچے، ایک دوسرے کا سہارا بن گئے، اور پھر ایک سلسلہ شروع ہوا مکہ کے قید خانوں کے ٹوٹنے کا، کبھی ایک تو کبھی دو اور کبھی کئی کئی مسلم قیدی فرار ہوتے، مشرکین مکہ سے بچتے بچاتے ابوبصیرؓ کی پناہ میں آ جاتے، اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے ستر لوگوں کی ایک مضبوط جمعیت تیار ہو گئی۔

ساحل سمندر سے اہل مکہ کے تجارتی قافلے گذرا کرتے تھے، تجارت کے منافع کو مسلمانوں کے خلاف بھی استعمال کیا جاتا تھا، ابوبصیر اور ان کے ساتھی ان قافلوں کو روکتے، ان کے مال واسباب پر قبضہ کرتے اور ضرورت پڑنے پر انھیں سبق بھی سکھاتے۔

چند ہی دنوں میں اہل مکہ کے ہوش ٹھکانے لگے وہ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، کہنے لگے کہ ہم اپنی شرطوں سے باز آئے، آپ انھیں اپنے پاس بلا لیجیے، معاہدہ کی اس شرط کو ہم خود خارج کرتے ہیں، اب مکہ کا کوئی بھی مسلمان آپ کے پاس آنا چاہے تو اسے پورا اختیار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خط لکھ کر اپنا

قاصد روانہ کیا، ابوبصیرؓ کی زندگی کے آخری لمحات تھے، نامۂ مبارک کو اپنے سینہ سے لگایا اور دار فانی سے رخصت ہو گئے، باقی اصحاب مدینہ منورہ کو آ گئے۔

بلا شبہ سیرت نبوی ﷺ کا ہر پہلو ایک مکمل اسوہ ہے، صحابہ کرام کی زندگی کا ہر گوشہ قابل تقلید ہے، حضرت ابوبصیر کا طریقہ بھی آج وقت کی ایک اہم ضرورت اور ایک ناگزیر اسوہ ہے! ہم یہ نہیں کہتے کہ سبھی مسلمان حضرت ابوبصیر کو اپنے لیے اسوہ بنالیں، لیکن ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو حضرت ابوبصیرؓ کے مٹتے ہوئے اسوہ کو زندہ رکھے، جو مظلوم مسلمانوں کے لیے مضبوط پشت پناہ ہو، جو ظالموں کو ان کے مظالم کی سنگینی سے آشنا کرا کر امن کی فضا قائم کر سکے!

ٹخنے سے نیچے لنگی لٹکانے کی وجہ سے یہ سزا ملی تھی!

سرکار دو عالم ﷺ نے آج مجلس میں اپنے جانثاروں کو پچھلی اقوام میں سے ایک شخص کا عبرت انگیز واقعہ سنایا، فرمایا:

پچھلے زمانے کا ایک شخص اس وقت سے آج تک برابر زمین میں دھنستا جا رہا ہے، اس کو ٹخنے سے نیچے تکبر کی وجہ سے لنگی لٹکانے کی وجہ سے یہ سزا ملی تھی، وہ شخص قیامت تک اسی طرح زمین میں دھنستا ہی رہے گا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

جتنا حصہ ٹخنے سے نیچے لٹکا رہے گا اتنا حصہ جہنم میں جائے گا،

اور جو شخص گھمنڈ سے اپنی لنگی یا پاجامہ ٹخنے سے نیچے لٹکائے گا اس کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے۔

(مجالس نبوی ص:۱۵۶، بحوالہ بخاری :۳۴۸۵، ۵۷۸۷، ۵۷۸۸)

اصلاحِ معاشرہ

دختر کشی عصر حاضر کا ایک اہم اور قابل توجہ مسئلہ

مولانا غیاث الدین دھامپوری*

ہمارے ملک کے برادران وطن سال میں دو مرتبہ ''نوراتروں کے موقع پر مختلف دیویوں کی پرستش کرتے ہیں اور ان سے مرادیں طلب کرتے ہیں، یعنی دیویوں کو خدائی کا درجہ دے دیا گیا ہے، خواہ وہ دیوی علم و ہنر کی ہو یا دولت وانصاف کی، تصویر کا یہ رخ بتا رہا ہے کہ ملک عزیز کی سرزمین پر جو مرتبہ عورت کو حاصل ہے وہ شاید کہیں اور نہ ہوگا، جب کہ تصویر کا دوسرا رخ یہ بتا رہا ہے کہ انہیں پوجا کے لائق دیویوں کو قبل از پیدائش موت کے منہ میں پہنچا دینے کی تعداد سب سے زیادہ ہوگئی ہے، اس تلخ حقیقت کی وجہ سے دنیا کا انصاف پسند و خدا ترس طبقہ تشویش میں مبتلا ہے، دن بہ دن ماہ بہ ماہ اور سال بہ سال مادر رحم میں پلنے والی بچیوں کے قتل کے واقعات میں اضافہ ہی ہو رہا ہے اولاد نرینہ کے خواہش مند حضرات مادر رحم میں لڑکی کی موجودگی کا علم ہوتے ہی مختلف ذرائع سے اندر ہی ختم کرنے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں، عصر حاضر میں زمانہ جاہلیت کی اس ملعون اور برسوں پرانی قبیح رسم نے جدید پیرائے میں سر ابھارا ہے، معاشرے کے بعض طبقات نے خواہ تعلیم یافتہ ہو یا غیر تعلیم یافتہ مادر رحم ہی میں بچیوں کو ختم کرنے کے نئے طریقے تلاش کر لیے ہیں کہ غائب کو حاضر ہی نہ ہونے دیا جائے، لہذا لڑکیوں کی پیدائش کا اوسط دن بہ دن کم ہوتا جا رہا ہے، ہندوستان میں بچیوں کے مادر رحم میں قتل کئے جانے کے واقعات میں تشویش ناک تیزی آئی ہے، اگر خدانخواستہ یہی صورت حال قائم رہی تو لڑکوں کے لیے لڑکیاں ملنی مشکل ہو جائے گی، ملک میں ایک ہزار لڑکوں کے مقابل ۹۴۰ رخواتین کی شرح پائی جاتی ہے، کئی ریاستوں میں تو فی ہزار مردوں کی مناسبت سے محض ۸۵۰ رخواتین ہیں، یعنی ۱۵۰ رلڑکوں کی شادی کے لیے لڑکیاں دستیاب نہیں ہیں، حالات کی سنگینی کا یہ عالم ہے کہ ملک کے بعض علاقوں میں شادی کے لیے لڑکیوں کی کمی واقع ہو رہی ہے، سال گذشتہ ملک میں منعقدہ ایک کانفرنس جس کا تعلق بچوں کی پیدائش اور جنسی صحت سے تھا، اس کانفرنس میں ایک چونکا دینے والی بات یہ سامنے آئی کہ بعض ریاستوں میں ہزار لڑکوں کے مقابلے میں صرف سات سو لڑکیوں کا ہی اوسط ہے، نیز یونیسیف کی رپورٹ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ گذشتہ بیس سالوں کے

* صدر مجلس احرار اسلام، و مدرسہ اسلامیہ عربیہ محلہ بندو قصبہ دھام پور

درمیان مختلف طریقوں سے تقریباً دس ملین بچیوں کو قبل از پیدائش یا بعد از پیدائش موت کے منہ میں دھکیل دیا گیا، عصمت دری کے واقعات میں اضافہ کی ایک وجہ کمتر صنفی توازن بھی ہے، لب لباب یہ کہ شادی کے لیے مطلوبہ تعداد میں لڑکیاں دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے حرص وہوس کے پجاری ریپ (زنا بالجبر) جیسے جرائم کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں، اس مسئلہ کا فطری حل صنفی شرح میں اضافہ ہی میں مضمر ہے، اگر اسی طرح جنسی تناسب میں گراوٹ آتی رہی تو کنوارے رہنے والے مردوں کی تعداد میں مزید اضافہ ہی ہوگا، ہمارے معاشرے میں ایک خیال یہ بھی ہے کہ خاندان صرف لڑکوں سے ہی چلتا ہے، حالانکہ یہ سوچ ہی غلط ہے، بفرض محال اگر اس خیال کو صحیح بھی سمجھ لیا جائے تو بھی یہ امر قابل غور ہے کہ اگر لڑکوں کو شادی کے لائق لڑکیاں میسر نہ آئے گی تو پھر افزائش نسل کی کیا صورت ہوگی اور اگر مالدار یا رسوخ والے شادی کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو بھی متوسط اور غریب طبقہ کے لڑکوں کے لیے لڑکیاں تلاش کرنا مستقل سر کا درد اور ایک عظیم چیلنج بنا رہے گا۔

۲۰۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق چھ تا آٹھ سال تک کی بچیوں کی آبادی میں نمایاں فرق آیا ہے، غیر ملکی اعتبار سے (۷۲) بہتر لاکھ کا فرق ہے، اگر یہ رجحان اسی طرح برقرار رہا تو امید ہے کہ آئندہ سالوں میں مزید کمی واقع ہونے کا اندیشہ ہے، ملک کی جن ریاستوں میں لڑکیوں کی شرح پیدائش قابل ذکر کم ہوئی ہے، ان میں ہماچل پردیش، دہلی، پنجاب، ہریانہ اور گجرات راجستھان، جیسی اہم اور ترقی یافتہ ریاستیں سرفہرست ہیں۔

۲۰۱۲ء میں دہلی میں عصمت دری پر جو اندوہناک واقعہ پیش آیا تھا اور واقعہ کی متاثرہ لڑکی بالآخر موت کی آغوش میں ابدی نیند سوگئی، اجتماعی عصمت دری کے اس حالیہ واقعہ پر نہ صرف دارالحکومت دہل گیا بلکہ ملک کے مختلف مقامات پر بھی اس گھناؤنے واقعہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہوئی۔ ۱۹۷۸ء کے بعد یہ دوسرا موقع ہے جب کسی عصمت دری کے واقعہ کے خلاف عوام نے اتنا شدید احتجاج کیا ہو ۱۹۷۸ء میں دو کمسن بھائی بہن سنجے اور گیتا چوپڑا کو رنگا اور بلا نامی دو نوجوانوں نے اغوا کیا تھا، گیتا کی عصمت دری کی گئی جس کے بعد دونوں بھائی بہن قتل کر دیئے گئے، دونوں مجرمین کو ۱۹۸۲ء میں موت کی سزا دی گئی، اس حالیہ واقعہ پر اہم سیاسی قائدین اور دیگر تمام شعبہ ہائے حیات سے رکھنے والی ممتاز شخصیات نے اپنے اپنے ردعمل کا اظہار کیا سماجی مسائل پر منفرد باغیانہ تیور دکھانے کے لیے مشہور شبانہ اعظمی نے جو اس واقعہ کے خلاف سرگرم مہم چلا چکی ہیں، کہا ہے کہ ہمیں اپنے مہذب سماج کے لیے شدت سے مطلوب تحفظ نسواں کو یقینی بنانا ہوگا، ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہمیں دیوی کا درجہ دیا جائے، بلکہ ہم احترام ومساوات کا مطالبہ کرتے ہیں، بے باک ردعمل کے لیے مشہور فلم ڈائرکٹر مہیش بھٹ نے انتہائی سخت الفاظ میں اپنی برہمی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہم دیوی کے روپ میں عورت

کی پوجا کا ڈھونگ کرتے ہیں، مگر اب ہندوستان کو آہ وزاری کرنا چاہئے کہ اب ہمارے ہاتھ خود ہی اپنی بیٹیوں کے خون سے آلودہ ہو رہے ہیں۔

مرد وزن کا جنسی عدم توازن خطرناک علامت

روزنامہ ہندسماچار کا اداریہ مادر رحم میں بچیوں کے قتل کے تعلق سے رقم طراز ہے'' شمالی بھارت کے صوبوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کے تناسب میں فرق لگاتار بڑھتا جارہا ہے، مہلا بال وکاس راجیہ منتری رینو کا چودھری کے مطابق پنجاب میں جہاں ایک ہزار لڑکوں کے پیچھے یہ تناسب ۸۷۵/ سے گھٹ کر ۷۹۶/ رہ گیا ہے، وہیں دہلی میں یہ ۹۱۵/ سے گھٹ کر ۸۶۸/ ہریانہ میں ۸۷۹/ سے گھٹ کر ۸۱۹/ اور راجستھان میں ۹۱۶/ سے گھٹ کر ۹۰۹/ رہ گیا ہے، لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان بڑھتے ہوئے اس فرق کی بڑی وجہ ہمارے سماج میں ونش کو آگے بڑھانے کے لیے بیٹے کی چاہت اور جہیز وغیرہ کی بری روایات ہیں پچھلی کچھ دہائیوں میں اسکیننگ سینٹروں میں سیکس ٹیسٹ اور کنیا بھرونوں کا اسقاط حمل کرانے پر پابندی لگانے کے لیے سخت قانون بنائے گئے اور اُسے اسکیننگ مراکز ونرسنگ ہوموں پر چھاپے مارنے اور قصوروار ڈاکٹروں اور نرسوں وغیرہ کو سزا دینے کا سلسلہ شروع ہوا لیکن جیسا کہ عموماً ہوتا ہے قوانین کی خلاف ورزی کرنے والے اب بھی چوری چھپے جنسی ٹیسٹ واسقاط حمل کراتے ہی رہتے ہیں، عام طور پر چوری چھپے ہونے والے اسقاط حمل میں نیم حکیم وانا ڑی دائیوں سے کروائے جانے والے اسقاط حمل بھی شامل ہوتے ہیں، ان میں پیٹ میں پل رہی بچی کی موت تو ہوتی ہی ہے ماں کی زندگی بھی ختم ہوجاتی ہے، اس سلسلہ میں ایک موجودہ ماں اور ایک ہونے والی بچی کی زندگی چھین لی جاتی ہے یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ ہم ایک طرف ماں کی شکل میں'' بھگوتی درگا، ماں ویشنو دیوی، ماں چنت پورنی، ماں کالی، ماں سرسوتی، ماں لکشمی'' اور مختلف دیویوں کی پوجا کرتے ہیں، نوراتروں اور کسی بھی دھارمک اہتمام کے موقع پر کنیاؤں کے چرن دھوکر ان کا پوجن کر کے ان کو بھوجن کراتے ہیں، وہیں دوسری جانب کنیاؤں کے جنم کو اپنے اوپر بوجھ سمجھتے ہیں، وکنیا بھرون کا اسقاط کردیتے ہیں، عام طور پر لوگوں میں یہ سوچ دیکھنے کو ملتی ہے کہ دوسروں کے گھر پیدا ہوئی کنیا کو کنجک پوجن کے لیے مدعو کیا جائے، لیکن اپنے گھر میں کنیا کا جنم نہ ہو کنیا بھرونوں کا اسقاط اور ان کی ماتاؤں کی اسقاط حمل کے وقت موت یقینی طور سے ہمارے سماج پر ایک داغ ہے اگر لڑکیوں کا جنم اسی طرح گھٹتا رہا تو ایک دن ایسا بھی آسکتا ہے کہ اس سے پیدا سماجی عدم توازن میں کسی لڑکی کے باہر آتے جاتے وقت اس کے ساتھ سیکورٹی گارڈ بھیجنے پڑیں گے، سماج اور سرکار کے دور اندیش لوگوں کو وقت رہتے اس طرف سنجیدگی سے سوچنا چاہئے۔ (روزنامہ سماچار: ۲۲/دسمبر ۲۰۰۷ء)

افزائش نسل حیوانی

کسی ملک کے تمدن اور ترقی کا اہم کارنامہ یہ بھی ہوتا ہے کہ حیوانات کی نسلیں فراہم کر کے حیوانوں تک کی آبادی میں اضافہ کیا جائے اور ملک میں جانوروں کی ترقی وتربیت کا معقول انتظام کیا جائے؛ چنانچہ تیموریوں نے اس محکمہ کو بھی بے انتہا ترقی دی، اس محکمہ کو سب سے زیادہ ترقی جہانگیر نے دی، اگرچہ اکبر نے بھی اس محکمہ سے خاصی دلچسپی کا اظہار کیا تھا، یعنی پہلے لوگ جانوروں تک کی نسل کی حفاظت کو اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتے تھے اور آج کا انسان صنف نازک کا خاتمہ اس کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی کر رہا ہے۔

رحم مادر میں لڑکیوں کے قتل میں ہندو مذہب کی بہت بڑی غلطی

زندگی کے ہر مسئلہ کے حل کے لئے دیوی کی پوجا کرنے والا ہندوستانی سماج لڑکی کی پیدائش کو منحوس مانتا ہے، لیکن بحیثیت قتل دیکھا جائے تو سب سے بڑی غلطی ہندو مذہب کی ہے، جو صرف لڑکوں کو ہی باپ یا ماں کی چتا کو آگ دینے کا حق دیتا ہے، اور ماں باپ کے بعد لڑکے کو ہی آگے بڑھانے کا کام کیا جاتا ہے، نیز جہیز بھی ایک ایسی لعنت ہے جو لڑکی کو ماں کے پیٹ کے اندر ہی قتل کے پاپ کو اور زیادہ پھیلانے میں معاون ہے، مغربی ممالک کی طرح ہندوستان میں بھی عورت کی بے عزتی اور ظلم کے مختلف قابل مذمت طریقوں سے متاثر ہے ان میں سب سے بڑا ظلم مادر رحم میں لڑکی کا قتل ہے۔ راجستھان میں صرف پانچ برس میں ۲۳/لاکھ بچیاں رحم مادر میں قتل کی گئیں ۹۵/لاکھ حاملہ خواتین نے سرکاری اسپتالوں میں خود کو رجسٹرڈ کرایا، تاہم چند ماہ بعد بچے کی جنس معلوم ہونے پر ۲۳/لاکھ خواتین نے اسقاط حمل کرالیا، اس حوالے سے بھارتی آڈیٹر جنرل (سی اے جی) نے ایک رپورٹ میں انکشاف کیا ہے کہ ۲۰۱۱ء سے ۲۰۱۶ء تک پانچ سال کے عرصے میں راجستھان میں ۲۳/لاکھ خواتین خود کو اسپتالوں اور کلینک میں رجسٹرڈ کرانے کے بعد غائب ہوگئیں، جس سے یہ تلخ حقیقت سامنے آئی کہ صرف راجستھان میں ۲۳/لاکھ لڑکیوں کو مادر رحم میں قتل کر دیا گیا۔ جب کہ دیگر ریاستوں کی طرح راجستھان میں بھی حکومت نے ''زنانی سرکھشا یوجنا'' متعارف کروائی تھی، جس کا مقصد خواتین میں بچوں کی درست پیدائش کا تناسب جاننا اور اس کی مدد سے خواتین کو مالی رقوم ادا کرنا تھا۔

بیٹیاں باقیات صالحات ہیں

ایک زمانہ تھا جس میں لڑکیوں کی کوئی حقیقت نہ تھی ان کی پیدائش ننگ وعار کا سبب تھی، حتیٰ کہ سنگ دل انسان انہیں زندہ مٹی کے نیچے دفن کر دیا کرتا تھا، خود قرآن اس پر شاہد ہے، (سورۃ نحل آیت نمبر: ۵۷) ترجمہ:۔ ''جب ان میں سے کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی خبر سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور دل مسوس کر رہ جاتا

ہے، اور لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے، ان کو منھ نہیں دکھانا چاہتا، اس برائی کی وجہ سے جس کی اس کو خبر ملی ہے، سوچتا ہے کہ اس نومولود بچی کو باقی رکھیں یا اس کو کہیں لے جا کر مٹی میں دبا دیں''،

یہ اس زمانے کے لوگوں کا کردار تھا، تاہم بیٹیاں شریعت اسلامیہ کے مطابق سراپا رحمت ہیں، دینی و دنیوی اعتبار سے خوشحالی کا سبب ہے، ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس کے یہاں تین لڑکیاں یا تین بہنیں ہو یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں اور اس نے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا اور ان کے سلسلے میں اللہ سے ڈرتا رہا تو اس کے لیے جنت ہے۔ (ترمذی شریف: ۲/ ۱۳) مگر افسوس! آج یہی بیٹیاں جدید ٹکنالوجی کے ذریعہ مادر رحم ہی میں قتل کی جا رہی ہے، سابقہ ادوار میں لڑکیوں پر خارج میں ظلم ہوتا تھا، مگر آج خارج اور داخل ہر دو شکل میں صنف نازک دوہری مار جھیل رہی ہے، یعنی نفس ظلم موجود ہے، صرف ظلم کی شکل تبدیل ہوگئی ہے، جہیز کی طویل فہرست ''اونچی اونچی فرمائشیں، عصمت وعزت کو ہمہ وقت خطرہ'' والدین ولڑکیوں کا جہیز مہیا نہ ہونے کے سبب خودکشی کر لینا یہ سزائیں تو زندہ درگور کرنے سے بھی زیادہ بدتر ہے۔

اس سنگین مسئلہ کا حل تلاش کرنے کی شدید ضرورت

ایسے وقت میں جب کہ اخلاقی انارکی، فساد بگاڑ، خدا کے حضور جواب دہی کا عدم احساس اور صنف نازک کے ساتھ جبر واستحصال نیز مادر رحم میں لڑکیوں کا قتل جیسے شرمناک واقعات کے بکثرت وقوع کے بعد بھی اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سماج کا تانا بانا سلامت اور مستحکم ہے تو یہ ہماری خام خیالی ہے موجودہ حالات وواقعات بتا رہے ہیں کہ ملک کی بیٹیوں کا مستقبل غیر محفوظ ہے، اس نازک اور حساس مسئلہ کے ایک ایک پہلو پر گہرائی اور گیرائی سے غور کرنا ہوگا، مادر رحم میں بچیوں کے قتل کے سدباب کے لیے حکومتی سطح پر سخت سزائیں ایماندارانہ نفاذ کے ساتھ ملک گیر تحریک کا شروع ہونا بھی ضروری ہے، نیز اسلامی خصائص وکمالات کو بھی معاشرہ کا جز بنانا پڑیگا، اچھائیوں کو اختیار کرنے اور برائیوں سے اجتناب کرنے والی سوسائٹوں کو وجود میں لانا ہوگا، تاکہ مادر رحم میں بچیوں کے قاتل یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ لڑکیاں بھی اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور ہر نعمت کی طرح اس نعمت کی بھی قدر کرنے کی ضرورت ہے، موضوع کے تجزیہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ رحم دار کے قتل میں پھنسے ہندوستانی سماج کے پاس دو ہی راستے ہیں، ایک یہ کہ اس تباہ کن راستہ کی طرف بڑھتا چلا جائے، یہاں تک ایک عبرتناک انجام سے دوچار ہو جائے، دوسرے یہ کہ اسلام کے انسانیت نواز اور حیات بخش پیغام کو سنجیدگی سے سنے اور اس کو منصوبہ بند طریقہ سے عمل میں لا کر خود کو ہر طرف سے محفوظ ومامون کر لے۔

مغرب کی تقلید کے سبب معاشرتی اقدار زوال پذیر

کسی بھی خاتون کو محبت وحفاظت میسر آجائے تو وہ پورے خاندان کو عروج پر پہنچا دیتی ہے، تحفظ میں کمی آئے تو اس کی عصمت جاتی رہتی ہے، جو اصل جوہر ہے، محبت کم ہوگی تو اس میں قنوطیت پیدا ہوجائے گی، جو نسلِ نو کے لیے تباہ کن ہے، خاتون بیٹی ہے تو شفقت ورحمت درکار ہے، بیوی ہے تو محبت وعصمت کی حقدار ہے، ماں ہے تو احترام وکفالت کی متقاضی ہے، مگر افسوس کہ تحفظ کی ان چیزوں کی اب سماج میں کوئی پرواہ نہیں ہورہی ہے، جو سماج اپنی ماؤں بہنوں بیٹیوں کو تحفظ نہیں دے سکتا، وہ مہذب کہلانے کا لائق سماج نہیں، ہماری تہذیب ہمارا کلچر کس ڈھرے پر بے لگام جارہا ہے، کچھ پتہ نہیں، آج ہماری حکومت برائی کی جڑ کی طرف توجہ نہیں دے رہی ہے، وہ زنا کاری وشراب کے اڈوں کو لائسنس دے کر جرائم کو بڑھاوا دے رہی ہے، مرد وزن کے اختلاط اوران کو دوش بدوش تفریح کے مواقع فراہم کررہی ہے، انہیں مردوں کی درمیان بھیج کر بعد میں نعرہ لگواتی ہے کہ خواتین کے تحفظ فراہم کیا جائے، بہرحال جب تک برائی کی جڑ تلاش نہیں کریں گے، برائی کا خاتمہ بھی نہیں ہوگا، جنسی جرائم وغیرہ کا خاتمہ کرنا ہو تو اسلام کے تعزیری قوانین پر ہی عمل پیرا ہونا پڑے گا وگرنہ بصورت دیگر حالات بد سے بدتر ہوجائیں گے۔

★...★...★

ماہنامہ اشرف الجرائد حیدرآباد

ایک عظیم اصلاحی ودعوتی تحریک کا نام ہے۔ آپ بھی اس میں شریک ہوجایئے اور اپنے دوست واحباب کو بھی اس کے پڑھنے کی ترغیب دیجئے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ

یہ ماہنامہ www.Idara.info پر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

اصلاحِ معاشرہ

بچوں کی تعلیم وتربیت کیسے؟

مظفر احسن رحمانی*

اس وقت بچوں کی تربیت کس نہج پر ہو ایک بڑا مسئلہ بنتا جارہا ہے، بچے قوم، ملک، ملت اور سماج کا انمول اثاثہ ہیں، جسے ہرگز نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اگر ہم نے آج چشم پوشی سے کام لیا تو کل ہمارا کوئی آنسو پوچھنے والا نہیں ہوگا، خون کے ان آنسوؤں کے ہم خود ذمہ دار ہوں گے، بچوں کو یہ کہہ کر نظر انداز کردینا کہ یہ ابھی بچہ ہے خود ٹھیک ہوجائے گا بڑا مجرمانہ جملہ ہے، محبت سے آج ہی ہمیں روکنا اور ٹوکنا ہوگا، ہمیں ہمارے نبی جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں بعض رہنما اصول بتائے ہیں جس پر عمل کرتے ہوئے ہم اپنے بچوں کو اس نشان راہ پر لے جاسکتے ہیں جو لکیر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کھینچی ہے۔

اسلام میں سب سے مہتم بالشان عبادت نماز ہے، اس سلسلہ میں بچوں کو متنبہ کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''مروا اولادکم بالصلوۃ وھم ابناء سبع سنین، واضربوا ھم علیھا وھم ابناء عشر، و فرقوا بینھم فی المضاجع'' (سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب متی یؤمر الغلام بالصلاۃ، ج:۱،ص:۱۷ ونحوہ فی الجامع للترمذی، ابواب الصلوۃ، باب ماجاء متی یؤمر الصبی بالصلاۃ۔ ج:۱،ص:۹۳) ''اپنی اولاد کو جب وہ سات سال کے ہوجائیں، نماز کا حکم دو۔ اور جب وہ دس سال کے ہوجائیں، تو نماز (چھوڑنے) پر ان کی سرزنش وتادیب کرو اور خواب گاہوں میں ان کو جدا کرو۔''

حضرت عمر بن ابی سلمہ اپنی والدہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں تھے، ایک بار آپ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے اور بچوں کی عادت کے مطابق کبھی اِدھر سے کبھی اُدھر سے لقمہ اٹھاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نرمی کے ساتھ ان کو کھانا کھانے کا طریقہ بتایا: اے بچے! بسم اللہ کہو، داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے قریب سے کھایا کرو۔ (بخاری، کتاب الاطعمہ باب التسمیۃ السلام، حدیث نمبر 5061)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی کم عمر صحابہ میں تھے۔ ایک مرتبہ سیدھے گھر میں داخل ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''باہر جاؤ، سلام کرو پھر اجازت لے کر داخل ہو۔''

*ایڈیٹر بصیرت آن لائن

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت کم سن تھے، آپ ﷺ ان کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھائے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے بڑی نصیحت آمیز باتیں فرمائیں: ''اے لڑکے! میں تم کو چند نصیحتیں کرتا ہوں، تم اللہ کے احکام کی حفاظت کرو، اللہ تمہاری حفاظت کریں گے، اللہ کو یاد رکھو، تم اللہ کو اپنے سامنے پاؤ گے، اور جب بھی مانگنا ہو اللہ ہی سے مانگو، اور جان لو کہ اگر تمام لوگ مل کر بھی نفع پہونچانا چاہیں تو جو نفع اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مقدر کر دیا ہے وہی تم کو ملے گا، اور اگر سب مل کر تم کو نقصان پہنچانا چاہیں تو اتنا ہی نقصان پہونچے گا جو اللہ نے تمہارے لئے طے کر دیا ہے۔'' (سنن الترمذی، کتاب صفت القیامۃ، حدیث نمبر:2516)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شب حضور اکرم ﷺ کے ساتھ گذاری، جب آپ ﷺ کا قیام ان کی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تھا۔ آپ ﷺ نے تہجد کی نماز میں ان کو اپنے ساتھ رکھا، آپ نماز پڑھا رہے تھے وہ آپ کے بائیں جانب کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ان کا کان پکڑ کر دائیں جانب کر دیا۔ (مسلم، باب الدعا، فی صلوۃ اللیل وقیامہ، حدیث نمبر:763)

حجۃ الوداع میں حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کی سواری پر آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، قبیلہ بنو خشعم کی ایک لڑکی آپ ﷺ سے مسئلہ پوچھنے آئی۔ حضرت فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی طرف دیکھنے لگے۔ آپ ﷺ نے اُن کا چہرہ دوسری جانب موڑ دیا۔

(بخاری، عن عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، باب وجوب الحج وفضلہ، حدیث نمبر:1443)

بچوں کی نشست و برخواست پر مکمل نگرانی رکھنا والدین کی اہم ذمہ داری ہے، کہاں جا رہا ہے؟ کس سے تعلق ہے؟ اسکول یا مدرسہ وقت پر پہونچ رہا ہے یا پھر اپنے وقت کو برے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر ضائع کر رہا ہے، یہ وہ حساس باتیں ہیں جس پر توجہ دیئے بغیر ہم ایک اچھے والد کا درجہ حاصل نہیں کر سکتے، موجودہ زمانے میں جب کہ برائیاں نہایت آسانی کے ساتھ موبائل کے ذریعے ہمارے گھروں میں داخل ہو رہی ہیں، اس پس منظر میں ہماری ذمہ داری دو چند ہو جاتی ہے، ہم اپنے بچوں کی ہر جائز و ناجائز چیزیں ان کی ضد کو پوری کرنے کے لیے پیش سے پیش تر فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو آپ کی نسلوں کو تباہ کر دینے کے لئے کافی ہے، جس خاندان کو معاشرے اور سماج کی آنکھ عزت اور احترام سے دیکھتی تھی آج اولاد کی غیر اخلاقی حرکتوں نے سر اٹھا کر چلنے کے لائق نہیں چھوڑا، اس گناہ کے ارتکاب میں بچے کے ساتھ والدین برابر کے شریک ہیں، ایک جوان بیٹی یا بیٹا موبائل پر گھنٹوں کس سے بات کر رہی ہے اس بات کو جاننے کی کبھی کوشش نہیں کی جاتی ہے اور پھر یہ روگ آہستہ آہستہ پورے گھر کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہے۔ (بقیہ صفحہ ۳۵ پر)

تعاقب فرقِ ضالہ

فتنۂ غامدیت؛ انکارِ حدیث کا شاخسانہ

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانیؔ

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آج اسلامی دنیا کا ایک بڑا طبقہ تجدد پسندوں کے ان جدید فلسفوں سے بے حد متاثر ہے جو دین اسلام کو مغربی نظریات سے ہم آہنگ کرنے کے لیے نہ صرف اس میں قطع و برید اور کانٹ چھانٹ کے قائل ہیں؛ بل کہ بدلتی ہوئی زندگی اور دورِ حاضر کی ارتقاء پذیری کا نام لے کر خدا کے آخری اور ابدی دین پر عمل کرنے کو روایت پرستی، رجعت پسندی اور دقیانوسیت کا مترادف قرار دیتے ہیں، دین اسلام میں جزوی یا کلی تبدیلی، ترمیم اور اصلاح کے ان ہی علمبرداروں کو تجدّد پسند اور متجدّد دین کہا جاتا ہے۔ ان متجدّد دین میں سے بعض نے معجزات و کرامات کے اسلامی تصور کو عہد جدید کے مخالف سمجھا تو برملا اس کا انکار کیا، کسی نے متعارض احادیث کو تطبیق کی راہ میں رکاوٹ جانا تو اس پر ہاتھ صاف کیا، کچھ نے اسلامی اصطلاحات پر اپنی خود ساختہ اصلاحات کو ترجیح دی اور ان کو سند جواز عطا کیا، کسی نے اسلام کے سیاسی نظام میں عہد حاضر کے لبرل سیاسی نظاموں کے مطابق تبدیلی کی ضرورت محسوس کی اور خلافت علی منہاج النبوۃ پر رکیک اعتراضات کئے، کسی نے اسلام کے فقہ المعاملات میں تغیر کا بیڑا اٹھایا اور سود جیسے قطعی و اجماعی حرمت رکھنے والے حکم کی حلت کا نظریہ پیش کیا، ان کے علاوہ کوئی اسلام کے نظام عفت و عصمت، برقعہ و حجاب کا دشمن ہوا، کسی نے اسلام کے عائلی نظام کو نشانہ بنایا، کسی نے فقہ الجہاد میں تغیر کی ضرورت محسوس کی، تو کسی نے اسلام کے نظام تزکیہ و احسان کو اپنا ہدف بنایا۔

چونکہ ان ترمیمات و تغیرات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ علمائے دین اور اسلاف سے مضبوط رشتہ تھا، اس لیے اسلاف کے تذکرے اور علماء پر روایت پسندی کی پھبتی کسی گئی اور ہر ممکن طریقے سے راسخ العلم قدیم علماء کی اہانت، مخالفت اور تمسخر و مذاق اڑانے کا ایک سلسلہ شروع کر دیا، ان متجددین نے موجودہ دور میں دنیاوی سطح پر مسلمانوں کے زوال میں سب سے بڑی رکاوٹ علمائے دین اور اسلام کی اس تشریح و تعبیر کو سمجھا جو نسل در نسل، سینہ بہ سینہ اور طبقہ بہ طبقہ صحابہ کرامؓ کے دور سے اب تک چلی آرہی ہے، ان متجددین کی مجالس، اقوال اور

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

تصانیف میں مشترک طور پر مغرب کی مدح سرائی، مغربی نظام کی اصلحیت، نافعیت، مسلم دنیا کے مستقبل کے بارے مایوسی، دین اسلام کے متفقہ و اجماعی احکام پر اشکالات، اعتراضات اور اسلامی تاریخ اور اسلاف امت کی تحقیر نظر آئے گی۔ متجد دین کی تحریروں و تقریروں میں تجدید، جدت، احیاء، اصلاحات، زمانے کے ساتھ ہم آہنگی، اجتہاد اور اس جیسے الفاظ کی کثرت ہے۔ ان کی نظر میں زوال کا سبب دین کی اصلی شکل وصورت پر اصرار ہے اور جس دن دین میں زمانے کے ساتھ تبدیلی و ترمیم کا راستہ کھل گیا، اس دن سے مسلمان ترقی کی دوڑ میں شامل ہو کر ترقی کی معراج پر پہنچ جائیں گے۔ یاللعجب

متجدّ دین دنیائے اسلام کے ہر خطے اور ہر ملک میں پیدا ہوئے، لیکن برصغیر، ترکی اور مصر کو متجدّ دین کے مراکز کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا؛ مگر گزشتہ کچھ عرصے میں 'دین' کی نئی تعبیر پیش کرنے کے سلسلے میں پاکستان کے روشن خیال دانش ور جناب جاوید احمد غامدی صاحب کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی، نئی نسل میں وہ کافی مقبول ہوئے، ان کی متعدد کتابیں مطبوعہ شکل میں اور انٹرنیٹ پر بھی دست یاب ہیں۔ ان کا ایک مضبوط حلقہ 'المورد' کے نام سے موجود ہے اور ماہ نامہ 'اشراق' لاہور کے ذریعے بھی ان کے افکار کی ترسیل برابر جاری ہے، یوٹیوب پر بھی ان کے بہت سے لکچرس اپ لوڈ ہیں، اسلوب کی متانت، لہجہ کی سنجیدگی اور عقلی اندازِ پیش کش نوجوانوں کو سر تسلیم خم کر دینے پر مجبور کرتا ہے؛ اسی وجہ سے ایک بڑا طبقہ ان کا گرویدہ ہو چکا ہے۔

دوسری طرف یہ بھی ایک مسلم حقیقت ہے کہ انہوں نے دین کا جو تصور پیش کیا ہے وہ جمہور امت کے تصورِ دین سے بڑی حد تک مختلف ہے اور اس کے ڈانڈے اعتزالی فکر اور انکارِ حدیث سے جا ملتے ہیں۔ پاکستان میں اس موضوع پر متعدد علمی رسائل میں مباحثے ہوتے رہے ہیں۔

آج کا سب سے بڑا المیہ ہے کہ ہمارا روشن خیال طبقہ دینی و اسلامی علوم کو بھی یورپی فکر کی عینک لگا کر پڑھنے کی کوشش کرتا ہے، انہیں اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ اسلامی علوم کا مطالعہ براہِ راست کتاب وسنت کے مآخذ سے کریں، علماء کرام اور اسلافِ اُمت کی تعبیر کو نمونۂ عمل سمجھیں بلکہ مستشرقین و متجدّ دین نے اپنی ناقص تحقیقات کی بناء پر تاریخ اسلام اور کتاب وسنت کے متعلق جو کچھ لکھ دیا ہے، اس کو حرفِ آخر سمجھ لیا جاتا ہے؛ حالانکہ ان فلسفوں میں کچھ چیزیں وہ تھیں جو تجربات و مشاہدات پر مبنی تھیں اور بہت سی چیزیں وہ تھیں جو محض ظنّ وتخمین اور فرض وتخییل پر مبنی تھیں۔ گویا ان میں حق بھی تھا اور باطل بھی، علم بھی تھا اور جہل بھی، یہ فلسفے مغربی فاتحین کے جلو میں آئے اور مشرقی عقل وطبیعت نے فاتحین کے ساتھ ساتھ ان کی اطاعت بھی قبول کر لی، ان فلسفوں پر ایمان لانا ہی عقل وخرد کا معیار بن گیا اور اس کو روشن خیالی کا شعار سمجھا جانے لگا۔ مستشرقین کے زیر اثر یہ الحاد وارتداد

اسلامی ماحول میں بغیر کسی شورش اور کش مکش کے پھیل گیا۔ نہ باپ اس انقلاب پر چونکے، نہ اساتذہ اور مربیوں کو خبر ہوئی اور نہ غیرت ایمانی رکھنے والوں کو جنبش ہوئی۔ اس لئے کہ یہ ایک خاموش انقلاب تھا۔ اس الحاد وارتداد کو اختیار کرنے والے کسی کلیہ میں جا کر کھڑے ہوئے۔

مختصر تعارف:

جناب جاوید احمد غامدی کون ہیں؟ ان کا علمی پس منظر کیا ہے؟ انہوں نے کہاں پڑھا؟ کیا پڑھا؟ ان کے پاس دینی وعصری علوم کی کوئی سند یا ڈگری ہے یا نہیں؟ وہ کس کے تربیت یافتہ ہیں؟ وہ کن کے علوم وافکار سے متاثر ہیں؟ ان کے اساتذہ مسلمان تھے یا کافر؟ وہ ایک دم کہاں سے نمودار ہوئے؟ اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ کیسے شہرت کی بلندیوں پر پہنچ گئے؟ ان کو ٹی وی پر کون لایا؟ وہ اسلامی نظریاتی کونسل میں کیسے داخل ہوئے؟ وہ پرویز مشرف کے قریب کیسے ہو گئے؟ وہ حکومت کی ناک کا بال کیسے بنے؟ انہیں اپنی فکر وفلسفہ کے پروان چڑھانے میں کن لوگوں نے مالی تعاون کیا؟ ان کے لئے فنڈنگ کون کرتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام سوالوں کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ اسلام اور مسلمانوں کے عقائد ونظریات، قرآن وسنت، اجماع امت اور دین ومذہب کو بگاڑنے، اکابر واسلافِ امت کے خلاف بغاوت کرنے اور ان کے خلاف زبان درازی کرنے کی ہمت رکھتے ہوں، وہ دنیا بھر کی اسلام دشمن قوتوں اور مذہب بیزار لابیوں کے منظور نظر بن جاتے ہیں، اور ان کے تمام عیوب ونقائص نہ صرف چھپ جاتے ہیں بلکہ اعدائے اسلام ان کی سرپرستی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کو اپنا فرض اور اعزاز سمجھتے ہیں اور ان کی حمایت وسرپرستی کے لئے اپنے اسباب، وسائل، مال ودولت اور خزانوں کے منہ کھول دیتے ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ نظری، بصری میڈیا کے ذریعے ان کا ایسا تعارف کرایا جاتا ہے کہ دنیا ان کے "قدوقامت" اور نام نہاد علمی شوکت وصولت کے سامنے ڈھیر ہو جاتی ہے۔

اور یہ تو باطل فرقوں کی سرشت میں داخل ہے کہ ان سے وابستہ افراد میں جن لوگوں نے اپنے عزائم اور فاسد نظریات کی ترویج میں احادیث کو رکاوٹ گردانا، انہوں نے حجیت حدیث کا انکار کیا، جن لوگوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طرز عمل اور اسوہ کو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے آڑ سمجھا، انہوں نے اجماع صحابہ اور اجماع امت سے منہ پھیر لیا۔ جنہوں نے فقہائے کرام کی تحقیقات اور استنباطات کو اپنی نفس پرستی اور خواہش پرستی کے سامنے دیوار سمجھا، انہوں نے فقہائے کرام کی تقلید کا سرے سے انکار کر دیا۔

غامدی صاحب کا اصل نام محمد شفیق ہے؛ لیکن وہ بعد میں جاوید احمد ہو گئے آپ پیر کریاں (پاکپتن ضلع

ساہیوال) میں پیدا ہوئے۔ مذکورہ گاؤں اب قصبہ پاکپتن میں ضم ہو چکا ہے، پھر خاندان سمیت لاہور میں سلطان پورہ محلے میں مقیم ہو گئے۔ آج کل ڈیفنس لاہور میں رہائش پذیر ہیں، لیکن چند ماہ سے بعض وجوہات کی بنا پر بیرون ملک منتقل ہو چکے ہیں۔ ان کا تعلق زئی خاندان سے ہے مگر انہوں نے اپنا نسب تبدیل کر لیا ہے اور آج کل وہ یمن کے ایک قبیلے غامد کی نسبت سے غامدی کہلاتے ہیں[1]

غامدی نے بی اے تک تعلیم پائی ہے وہ کسی دینی مدرسے کے سند یافتہ فارغ التحصیل نہیں ہیں، ستر (70) کی دہائی میں چند برس جماعت اسلامی (لاہور) کے رکن رہے ہیں۔ مولانا مودودی سے بہت متاثر تھے، پھر مولانا امین احسن اصلاحی سے راہ و رسم پیدا کر لی، وہ مولانا اصلاحی کے باقاعدہ شاگرد نہیں ہیں، البتہ ان کے کچھ دروسِ قرآن میں ضرور شرکت کر چکے ہیں، وہ مولانا اصلاحی کا نام استعمال کرتے ہیں ورنہ ان سے گہرے اختلافات رکھتے ہیں۔

آج پڑوسی ملک پاکستان کے تقریباً تمام ٹی وی چینلز پر مختلف ناموں سے موصوف کے پروگرام جاری ہیں، جیو ٹی وی کا پروگرام ''غامدی'' آج ٹی وی کے پروگرام ''اسلام'' اور پی ٹی وی کے پروگرام ''فہم دین'' کے علاوہ بھی دینی موضوعات پر تقریباً تمام ٹوک شوز میں بحیثیت مذہبی اسکالر مدعو ہو کر دین کا غلط تصور عام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ موصوف جو پرویزی دور حکومت کی نوازشوں کے سبب ''اسلامی نظریاتی کونسل'' کے رکن بھی ہیں پی ٹی وی کے پروگرام میں نامحرم نوجوان عورتوں کے بیچ و بیچ بیٹھ کر تجدد زدہ اور معتدل اسلام کی بھڑکیاں چھوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

تجدد پسندی کی آڑ میں انکارِ حدیث:

غامدی صاحب کا بنیادی دعویٰ ہے کہ حدیث کا دین سے کوئی تعلق نہیں، یہ دین کا حصہ نہیں؛ بل کہ دین سے الگ کوئی غیر اہم شئی ہے، دین کا کوئی عقیدہ اور عمل اس سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ اگر احادیث کی کچھ اہمیت ہوتی اور یہ بھی دین کا حصہ ہوتیں تو ان کی حفاظت اور تبلیغ و اشاعت کے لئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کوئی اہتمام کیوں نہیں فرمایا؟

چنانچہ جاوید غامدی اپنی کتاب ''میزان'' میں ''مبادیٔ تدبر حدیث'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

[1] اہل علم جانتے ہیں کہ اسلام میں نسب تبدیل کرنا کتنا بڑا گناہ ہے اور صحیح حدیث میں اُسے کافرانہ عمل قرار دیا گیا ہے، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کُفْرٌ بِالْمَرْءِ اِدِّعَاءُ نَسَبٍ لَا یَعْرِفُہٗ اَوْ جَحَدَہٗ وَاِنْ دَقَّ۔ (ابن ماجہ رقم:2744) یہ کفر ہے کہ آدمی ایسے نسب کا دعویٰ کرے جس کو وہ خود نہیں پہچانتا، یا اپنے نسب کی کسی چیز کا انکار کرے اگرچہ وہ معمولی قسم کی ہو۔

"نبی ﷺ کے قول و فعل اور تقریر و تصویب کی روایتیں جو زیادہ تر اخبارِ آحاد کے طریقے پر نقل ہوئی ہیں اور جنہیں اصطلاح میں "حدیث" کہا جاتا ہے، ان کے بارے میں یہ دو باتیں ایسی واضح ہیں کہ کوئی صاحبِ علم اُنہیں ماننے سے انکار نہیں کر سکتا؛

ایک یہ کہ رسول ﷺ نے ان کی حفاظت اور تبلیغ و اشاعت کے لئے کبھی کوئی اہتمام نہیں کیا۔

دوسری یہ کہ ان سے جو علم حاصل ہوتا ہے، وہ کبھی علم یقین کے درجے تک نہیں پہنچتا۔

حدیث سے متعلق یہی دو حقائق ہیں جن کی بنا پر یہ ماننا تو ناگزیر ہے کہ اس سے دین میں کسی عقیدہ و عمل کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔

ایک خطبہ حجۃ الوداع کے متعلق البتہ کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے دوسروں تک پہنچانے کی ہدایت فرمائی تھی، لیکن اس کے بھی چند جملے ہی روایتوں میں نقل ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی چیز کے بارے میں اس نوعیت کی کوئی چیز تاریخ کے کسی مستند ماخذ میں مذکور نہیں۔

ٹی وی پروگراموں سے شہرت پانے والے جاوید احمد غامدی جو دین و شریعت کے ہر مسئلہ کو اپنی عقل کی میزان پر تولتے ہیں اور ان کی عقل رسا میں جو مسئلہ فٹ نہیں بیٹھتا تو اس کا انکار کرنا اپنا فرض منصبی اور ضروری حق گردانتے ہیں، موصوف کی کج راہیوں کی ایک طویل فہرست ہے، مختصر یہ کہ مسلّماتِ امت کے باغی، ہم جنس پرستی کے مجوز، حدِّ رجم کے قائل نہیں، سزائے ارتداد کے منکر، اجماعِ امت اور حدیثِ رسول سے نالاں اور خفا ہیں۔

اخیر میں ہم غامدی صاحب کے چند گمراہ عقائد اور باطل نظریات کا سرسری ذکر کر کے بات ختم کرتے ہیں؛ جن سے اس بات کا اندازہ لگانا آسان ہے کہ غامدیت کا فتنہ کس قدر سنگین اور خطرناک ہے۔

گمراہ و باطل نظریات:

1۔ عورت مردوں کی امامت کرا سکتی ہے۔ (ماہنامہ اشراق مئی 2005، ص 35 تا 45)

2۔ عورت نکاح خواں بن سکتی ہے۔

3۔ مردوں کا داڑھی رکھنا دین کی رو سے ضروری نہیں۔

4۔ ہندو مشرک نہیں ہیں۔

5۔ مسلمان لڑکی کی شادی ہندو لڑکے سے جائز ہے۔

6۔ ہم جنس پرستی ایک فطری چیز ہے، اس لئے جائز ہے۔

7۔ اگر بغیر سود کے قرضہ نہ ملتا ہو تو سود پر قرضہ لے کر گھر بنانا جائز اور حلال ہے۔

8۔قیامت کے قریب کوئی امام مہدی نہیں آئے گا۔(ماہنامہ اشراق جنوری 1996ء ص 60)

9۔امریکہ، افغانستان اور عراق پر حملہ کرنے میں حق بجانب ہے۔(انٹرویو زندگی)

10۔مسجد اقصیٰ پر مسلمانوں کا نہیں، اس پر صرف یہودیوں کا حق ہے۔

(اشراق جولائی 2003، اور اشراق مئی، جون 2004)

11۔تصوف اسلام سے الگ ایک متوازی دین ہے۔(برہان ص 188 طبع جون 2006)

12۔مسلمانوں کے تمام صوفیاء غیر مسلم ہیں۔(برہان ص 188 طبع جون 2006)

13۔اقامت دین یعنی دین کو قائم کرنے اور دین شریعت کا نفاذ کرنے کا کوئی شرعی حکم موجود نہیں۔

(برہان ص 147 طبع جون 2006)

(بقیہ صفحہ ۲۹ سے)

میرے پاس روز ہی ایسے مسائل آتے رہتے ہیں، بوڑھے ماں باپ کو روتا دیکھ کر دل میں خیال آتا ہے کہ کاش پہلے ہی دن بچوں کو موبائل نہ دیا گیا ہوتا یا پھر اس کی کوتاہیوں پر روکا ٹوکا جاتا، تعلیمی درسگاہوں کے انتخاب میں سوجھ بوجھ سے کام لیا جاتا، بڑوں کے احترام کو ملحوظ رکھنے کی تاکید کی جاتی تو یہ آنسو غم کے بجائے خوشی کے ہوتے، کوتاہیوں کی شکایت کے بجائے اس کی کامیابی کی خوشخبری سنائی جاتی، اللہ نے اولاد کی شکل میں جو نعمت ہمیں عطا کی ہے اس عظیم نعمت کے بابت ہم سے سوال ہوگا اور جواب دیئے بغیر ہم ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتے ہیں۔تربیت کے باب میں اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ ہم اپنے بچوں کے سامنے کوئی ایسی غیر اخلاقی حرکت نہ کریں جو بچوں کے ذہن کو آلودہ کرنے والی ہو، اس بات کا پورا خیال رکھا جانا چاہئے کہ ہر وہ پروگرام جو دین کی نسبت سے آبادی اور قریب کے علاقوں میں منعقد ہو، نہ چاہتے ہوئے بھی بچے کی خاطر ضرور جانا چاہئے، اسی طرح مسجد جاتے ہوئے ساتھ لے جائیں، جمعہ کو اردو خطبہ سے قبل جائیں خود بھی توجہ سے سنیں اور بچے کو بھی متوجہ رکھیں، ہم اس وقت تک کامیاب والدین کے زمرے میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ ہم ملک، ملت اور قوم کو اچھا شہری فراہم نہ کردیں، خدا کرے یہ باتیں مشعل راہ ثابت ہو۔

افاداتِ اکابر

صالحین کی صحبت

مولانا محمد اسرار الحق قاسمی*

اللہ رب العزت نے انسان کو بڑے اعزاز کے ساتھ پیدا کیا ہے۔اس کی پیدائش سے پہلے ہی اس کے مقام کا تعین کرتے ہوئے فرشتوں کو خبر دی۔وَاِذْقَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً اور تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین نائب بنانے والا ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلیفہ فی الارض بنایا۔یہ اتنا عظیم مقام ہے کہ اگر کوئی اس کا تصور کرے اور گہرائی کے ساتھ سوچے تو اسے پتہ چلے گا کہ اللہ کا اس کے اوپر کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے انسان کو زمین میں اپنا نائب بنایا۔انسان کے مکرم اور قابل احترام ہونے کی بات قرآن مجید میں یوں کہی گئی وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ ''ہم نے اولاد آدم کو مکرم بنایا ہے''ایک جگہ انسان کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے قرآن میں اس طرح ارشاد فرمایا گیا:لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔ مذکورہ تمام آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ انسان کو بڑے مقام ومرتبہ کے ساتھ پیدا کیا گیا۔

اگر انسان کی ان صلاحیتوں پر نظر ڈالی جائے جو باری تعالیٰ نے اس کے اندر رکھی ہیں تو بھی پتہ چلتا ہے کہ باری تعالیٰ نے انسان پر بڑے کرم ورحم کا معاملہ کیا ہے۔مثلاً انسان کو دماغ دیا گیا،جس کا استعمال کرکے وہ اچھے اور برے کے درمیان فرق محسوس کرسکتا ہے،اپنی ضرورت کی بہت سی چیزیں تلاش کرسکتا ہے اور جستجو کرسکتا ہے۔انسان کو عقل دی گئی جس کی بنیاد پر وہ اپنے حق میں بہتر فیصلے لے سکتا ہے۔شعور عطا کیا گیا جو انسان کے لیے بڑا قیمتی ہے۔اتنا ہی نہیں بلکہ اس کے اندر آگے بڑھنے کی آرزو اور خواہش رکھ دی اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی تمنا بھی پیدا کردی۔اتنی صلاحیتوں اور اوصاف کے ساتھ انسان کو جس جہان میں بھیجا گیا، اس میں مخالف اور منفی طاقتوں کو بھی پیدا کیا گیا جو غلط راستے کی طرف انسان کی رہنمائی کرتی ہیں۔شیطان اور اس کا لشکر ہمیشہ اس فکر میں لگا رہتا ہے کہ انسان کو بہکایا اور بھٹکایا جائے۔انسان کو بہکانے اور بھٹکانے کے لیے شیطان اپنی ساری توانائی خرچ کردیتا ہے اور طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے۔جس دنیا میں انسان موجود ہے وہاں بہت سی ایسی چیزیں موجود ہیں جو بظاہر بڑی بھلی اور خوشنما معلوم ہوتی ہیں مگر فی الواقع وہ بڑی

*صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن

نقصان دہ ہوتی ہیں۔ یہ سب اس لیے پیدا کیا گیا تا کہ انسان کو آزمایا جائے اور دیکھا جائے کہ وہ امتحان میں کامیاب ہوتا ہے یا نہیں۔

اللہ رب العزت نے انسان کو وہ صلاحیت ودیعت کی ہے کہ وہ اس کا استعمال کر کے صحیح اور غلط کے مابین فرق محسوس کر سکتا ہے، یہ جان سکتا ہے کہ کونسی چیز اس کے لیے کامیابی کی ہے اور کونسی چیز اس کے لیے ناکامی کی ہے، مگر اس کے ساتھ انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے اللہ رب العزت نے پیغمبروں کو بھی دنیا میں بھیجا اور بڑی تعداد میں بھیجا تا کہ وہ لوگوں کی صحیح راستے کی طرف رہنمائی کریں، ایسے ہی صحیفوں اور کتابوں کو نازل کیا کہ انسان صراطِ مستقیم پر چلتا رہے اور شیطان کے مکروفریب کا شکار نہ ہو۔ انبیاء علیہم السلام کے سلسلے کے ختم ہو جانے کے بعد علما کو پیدا کر دیا کہ وہ ٹھوس بات لوگوں کو بتاتے رہیں اور اشاعتِ اسلام کا فریضہ انجام دیں۔ علماء کے بارے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ العُلَمَاءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ ''علماء نبیوں کے وارث ہیں''۔ امت میں اللہ رب العزت نے اولیاء اور صلحا کو بھی پیدا کیا جو خود بھی نیکی کے کام کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی نیکی کے کام کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ایسے نیک لوگ سماج کے لوگوں کے لیے بڑے مفید ہوتے ہیں۔ لوگ ان کی صحبت اختیار کر کے اپنے آپ کو سدھار سکتے ہیں اور صحیح راستے پر قائم رہ سکتے ہیں۔ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْن (نیکوکاروں کی صحبت اختیار کرو)

نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی تاکید اس لیے کی گئی کہ صحبت انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر صحبت غلط لوگوں کی مل جاتی ہے تو ان کے اثرات پڑنے کے خدشات رہتے ہیں اور اگر نیک لوگوں کی صحبت اختیار کی جاتی ہے تو ان کے اچھے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر بچہ فطرت (فطرتِ اسلام) پر پیدا کیا جاتا ہے، لیکن اس کے والدین اسے یہودی بنا دیتے ہیں، مجوسی بنا دیتے ہیں اور نصرانی بنا دیتے ہیں۔'' یعنی جو بچہ بھی دنیا میں آتا ہے وہ فطرت اسلام کے ساتھ آتا ہے مگر اپنے والدین اور اپنے گھر کے ماحول کے مطابق ویسا ہی بن جاتا ہے۔ اگر اس کے والدین یہودی ہوتے ہیں تو یہودی بن جاتا ہے، اگر عیسائی ہوتے ہیں تو عیسائی بن جاتا ہے، اگر مجوسی ہوتے ہیں تو مجوسی بن جاتا ہے اور مسلمان ہوتے ہیں تو مسلمان بن جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحبت اور ماحول کا کس قدر اثر پڑتا ہے۔ یہ حدیث تمام انسانوں کو دعوت دیتی ہے کہ وہ اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کریں تا کہ اچھے بن جائیں اور برے لوگوں کی صحبت سے بچیں تا کہ برائی سے محفوظ رہیں۔

یہ بات ذہن نشین رہنی ضروری ہے کہ دنیا میں مختلف مزاج وعادات رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو جرائم کی دلدل میں دھنسے ہوئے ہوتے ہیں اور پے در پے غلط کام کرتے ہیں، بعض

بدعنوانی اور رشوت خوری میں پیش پیش رہتے ہیں، بعض شراب نوشی کی لت رکھتے ہیں، بعض زنا کاری کے سمندر میں غرقاب رہتے ہیں، بعض کذب گوئی اور وعدہ خلافی کی عادت رکھتے ہیں، بعض دنیاداری کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور دنیوی عیش وعشرت کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے معیار وعادات کے مطابق بات چیت بھی کرتے ہیں اور کام بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ جو لوگ ان کے پاس جاتے ہیں، ان کے لیے یہ خطرات اور خدشات پیدا ہو جاتے ہیں کہ کہیں ان کی بری عادتیں ان کے اندر نہ آ جائیں۔ اس لیے بھی کہ شیطان اپنے مکروفریب کے ساتھ انسان کو بھٹکانے اور بہکانے میں لگا ہوا ہے۔ وہ غلط لوگوں کا ساتھ دیتا ہے اور اچھے لوگوں کو غلط لوگوں کی راہ پر آنے کے لیے اپنا سارا زور لگا دیتا ہے۔ شیطان کو اتنی قوت دی گئی ہے کہ وہ انسان کے خون تک میں شامل ہو جاتا ہے۔ انسان کے مکروفریب اتنے خطرناک ہوتے ہیں کہ ان سے بچنا آسان نہیں ہوتا۔ اقبالؔ نے تمثیلی انداز میں شیطان کی قوت کو بیان کرتے ہوئے شیطانی کی زبانی یہ کہلوایا ہے۔

خضر بھی بے دست و پا الیاس بھی بے دست و پا
میرے طوفاں یم بہ یم دریا بہ دریا جو بہ جو

انسان کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ شیطانی حربوں وحملوں سے چوکنا ہو۔ خود انسان کے اپنے اندر نفسِ امّارہ موجود ہے جو اس کو غلط چیزیں اختیار کرنے پر اُکساتا ہے۔ بعض اوقات نفسِ امّارہ انسان پر اس قدر غالب آ جاتا ہے کہ اُسے اپنا اسیر بنا لیتا ہے اور انسان بے چون وچرا لمبے وقت تک اس کی اتباع کرتا رہتا ہے۔ بعض لوگوں کی تو زندگیاں ہی ختم ہو جاتی ہیں مگر وہ نفسِ امّارہ کے جال سے نہیں نکل پاتے، کچھ لوگوں کو ایک لمبی مدت تک نفسِ امّارہ کی غلامی کرنے کے بعد احساس ہوتا ہے اور وہ ندامت وپشیمانی کے عالم میں اپنے رب کے حضور دعا گو ہوتے ہیں اور نفسِ امّارہ کی قید سے چھٹکارا پانے کی عاجزانہ درخواست کرتے ہیں۔ بقول شاعر ؎

کریما بہ بخشائے برحالِ ما
کہ ہستم اسیرِ کمندِ ہوا

نفسِ امّارہ کی غلامی سے نجات پانے اور شیطانی مکروفریب سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لیا جائے۔ یعنی اللہ سے اپنے تعلق کو مضبوط کر لیا جائے۔ جس چیزوں کو کرنے کا باری تعالیٰ نے حکم کیا ہے، وہ چیزیں کی جائیں اور جن چیزوں سے روکا ہے، ان سے بچا جائے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ احکامِ الٰہی اور اسوۂ نبی کو اختیار کر کے انسان اپنے آپ کو سیدھے راستے پر گامزن رکھ سکتا ہے۔ اللہ کے ارشاد کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کے مطابق نیک لوگوں کا ساتھ پکڑ لیا جائے۔ اسی لیے بہت سے اکابرین نے اولیاء اللہ کی صحبت اختیار کرنے، ان سے استفادہ کرنے کو اہم

قرار دیا ہے۔ صالح پیرومرشد اپنے شاگرد کی اصلاح کرتے ہیں، ان کے اندر تزکیۂ نفس کا جذبہ بیدار کرتے ہیں اور ان پر توجہ رکھتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر کسی کو صالح پیر یا مردِ کامل مل جائے تو یہ اس کے لیے بڑی سعادت کی بات ہے۔ مولانا رومی کو شمس تبریز جیسا بزرگ حاصل ہوا تو ان کی زندگی میں زبردست انقلاب آ گیا۔ اقبالؔ نے کہا ہے ؎

گر نیابی صحبت مردِ خبیر
از اب و جد آنچہ من دارم بگیر
پیرِ رومی را رفیق از راہ ساز
از خدا بخشد ترا سوز و گداز

نیک لوگوں کی صحبت کی افادیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے والدین کو چاہئے کہ وہ اپنے بچوں کی پرورش وتربیت کے دوران اس بات کا خیال رکھیں کہ ان کے بچے کن لوگوں یا بچوں کے ساتھ وقت گزار رہے ہیں۔ اگر وہ یہ دیکھیں کہ ان کے بچوں کے گردرہنے والے بچے اچھی خصلت نہیں رکھتے یا ان کے ماحول درست نہیں ہیں تو فوری طور سے انہیں اپنے بچوں کا ماحول تبدیل کرنے کے لیے ایسے بچوں اور لوگوں کی صحبت فراہم کرنی چاہئے جو نیک ہوں، مثبت سوچ رکھتے ہوں۔ اس سلسلے میں ذرا سی غفلت ان کے بچے کے مستقبل کے لیے تباہ کن ہوسکتی ہے۔ بچوں کو اچھا ماحول دینا شروع سے ہی ضروری ہوتا ہے۔ اگر ابتدا میں منفی ماحول انہیں مل جاتا ہے اور وہ اس میں رَچ بس جاتے ہیں تو پھر اس سے ان کو نکالنا آسان نہیں ہوتا۔ بچے کورے کاغذ کی مانند ہوتے ہیں، جیسا وہ دیکھتے ہیں سیکھ لیتے ہیں جو کچھ ان کے اردگرد ہوتا ہے وہ غیر محسوس طریقے سے ان کی زندگیوں کو متاثر کرتا ہے، اس بابت غور وفکر کرتے ہوئے والدین سب سے پہلے خود اپنے کردار وعمل کا جائزہ لیں اپنا محاسبہ کریں اور یہ دیکھیں کہ ان کی زندگی کس طرح کی ہے۔ وہ خود نیک، ایماندار، دیانت دار، اسلام کے پابند ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں ہیں تو پھر ان کے بچوں کے لیے خطرے کی گھنٹی یہیں سے بجنی شروع ہوجاتی ہے کیوں کہ بچے زیادہ تر انہی کے پاس رہتے ہیں، ماں کی گود بچے کا پہلا مدرسہ کہی جاتی ہے یعنی بچہ اپنی ماں کی گود میں بہت کچھ سیکھتا ہے، وہ ماں کو جس طرح کرتے دیکھتا ہے، ویسا ہی کرتا ہے، جیسے ماں بولتی ہے، سکھاتی ہے، ویسے ہی وہ بولنا سیکھتا ہے، اب اگر خدانخواستہ ماں کا کردار اچھا نہ ہوا، اس کی سوچ منفی ہوئی، اس کے اعمال غیر مناسب ہوئے، اس کی گفتگو بے ڈھنگی، غیر مہذب اور ناشائستہ ہوئی تو فطری طور پر وہی چیز بچوں کے اندر بھی داخل ہوجائے گی۔ چنانچہ ماں کو بہت زیادہ محتاط ہونا پڑے گا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خود اچھا بننا پڑے گا۔ یہی سب کچھ باپ کو بھی کرنا ہے، اس لیے کہ ماں کے بعد بچہ کو باپ سے واسطہ پڑتا ہے۔ بعض والدین خود دیندار،

صالح نہیں ہوتے اور غلط کام کرنے سے باز نہیں آتے مگر اپنی اولاد کو نیک وصالح اور ایماندار بنانا چاہتے ہیں۔ یہ بڑی مشکل بات ہے۔ اس کے بعد والدین کے سوچنے کا مقام یہ ہے کہ وہ یہ دیکھیں کہ گھر میں دوسرے افراد اور کون کون ہیں اور وہ کیسے ہیں؟ ظاہر ہے کہ بہت سے گھر متعدد افراد پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اگر گھر کے سبھی ممبران درست ونیک ہیں تو بہت اچھی بات ہے، لیکن اگر کوئی غلط راستے پر ہو تو والدین کی ذمہ داری ہے کہ گھر کے اس فرد کی بھی اصلاح کریں، اگر وہ نیک بن جائے تو بہت اچھی بات، ورنہ تو اپنے بچوں کو اس کی صحبت سے بچانے کی کوشش کریں۔ بچہ جب تھوڑا بڑا ہونے لگتا ہے اور گھر کے باہر نکلنے لگتا ہے تو پھر اس بات پر بھی نظر رکھنا ضروری ہوجاتا ہے کہ گھر کے باہر وہ جن بچوں سے مل رہا ہے وہ کیسے ہیں؟ اگر ان بچوں کا ماحول درست نہیں ہے تو اپنے بچوں کو ان سے بچائیں۔ پھر جب بچے اسکول یا مدرسے جانے کے لائق ہوجائیں تو والدین پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کے لیے ایسے اسکولوں ومدرسوں کا انتخاب کریں جہاں کا ماحول اچھا ہو۔ جہاں ماحول خراب ہو، وہاں ہرگز بچوں کو داخلہ نہ دلائیں۔ کیوں کہ گھر کے بعد بچوں کے لیے مدرسے اور اسکول بڑے اہم ہیں۔ غرض یہ کہ ماحول اور صحبت بچے کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور اس پر اس کے مستقبل کا بڑی حد تک انحصار ہوتا ہے۔

''صحبت'' کی اہمیت صرف بچوں کے لیے ہی نہیں ہے بلکہ جوانوں کے لیے بھی ہے، بوڑھوں کے لیے بھی ہے اور عورتوں کے لیے بھی ہے۔ جوانوں کو بھی نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہئے۔ برے لوگوں کی صحبت ان کے لیے بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ کیونکہ جوانی میں انسان کے پاس بھرپور امنگیں ہوتی ہیں، جسم میں طاقت ہوتی ہے، خواہشات زوروں پر رہتی ہیں۔ اگر ایسے میں اسے غلط ماحول اور برے ساتھی مل گئے تو بڑے خطرے کی بات ہے۔ ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ والدین نے اپنے بچوں کو گھر میں بھی اچھا ماحول دیا، باہر بھی اچھے بچوں کے ساتھ انہیں لگایا، اچھے ماحول والے اسکولوں میں داخلہ کرایا مگر جب وہ باہر آئے، عملی دنیا میں قدم رکھا اور کچھ برے نوجوان ساتھی انہیں مل گئے تو وہ بگڑتے چلے گئے۔ اس لیے ضروری ہے کہ نوجوان اپنے آپ کو نیک لوگوں کے ساتھ جوڑیں۔ بوڑھاپے میں اگرچہ انسان عقل کے اعتبار سے بھی پختہ ہوجاتا ہے، امنگیں اور خواہشات بھی دم توڑنے لگتی ہیں، لیکن اگر اس عمر میں بھی غلط ماحول ملتا ہے تو وہ اپنی آخرت سے لاپرواہ ہوکر غیر معیاری کام کرسکتا ہے۔ جس کی ڈھیر ساری مثالیں سامنے ہیں۔ عورتوں کے لیے بھی اچھی صحبت ناگزیر ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ اچھی اور دیندار عورتوں کے ساتھ رہیں۔ بدچلن عورتوں کے ساتھ رہنا نقصان دہ اور خطرناک ہے۔ بہرکیف صالحین کی صحبت بڑی اہم ہے اور ہر شخص کو چاہئے کہ وہ صالحین کے ساتھ اپنے آپ کو جوڑے رکھے، غلط لوگوں سے حتی الوسع بچنے کی کوشش کرے۔

اسلامی آداب

سوتے وقت کے چند اذکار اور ان کی تشریحات

از: مفتی آصف علی سعید قاسمی*

مسلمان سوشل میڈیا کے جال میں اس قدر پھنس چکا ہے کہ اس کے فرصت کے لمحات بھی ضائع ہو رہے ہیں اُسے ان اذکار واوراد کو پڑھنے کے لئے فرصت نہیں ہے جو قرآن وحدیث کا حصہ ہیں اور جنہیں پڑھنے کی خود سیدنا ومولانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین کی ہے، رات دیر گئے تک موبائل فون پر لایعنی انہماک کے بعد اکثر انسان نیند کی آغوش میں اس طرح چلا جاتا ہے کہ نہ ہی اس کی زبان پر لفظ اللہ جاری ہوتا ہے اور نہ ہی اس نے آج صادر ہونے والے گناہوں سے اپنے پروردگار سے معافی چاہی ہے اسی خواب غفلت میں اگر اجل مقرر پوری ہوگئی تو کس قدر گھاٹے کی بات ہوگی، پس امت مسلمہ کے ہر ہر فرد کو اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ سوتے وقت وہ ان اذکار شرعیہ کو معانی کے دھیان کے ساتھ ہر رات پڑھ کر سوئے۔ ذیل میں چند اذکار کو ان کی تشریحات کے ساتھ درج کیا جاتا ہے جس کا عام طور سے مختصر وقت میں پڑھ لینا ممکن ہے؛ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

۱) بِاسْمِکَ اَللّٰھُمَّ اَمُوْتُ وَاَحْیٰ (بخاری ومسلم) "تیرے نام کی برکت سے اے اللہ میں رات کو موت سے ہم کنار ہوتا اور صبح دوبارہ زندگی پاتا ہوں"۔

۲) بِاسْمِکَ اَللّٰھُمَّ رَبِّیْ وَضَعْتُ جَنْبِیْ وَبِکَ اَرْفَعُہٗ اِنْ اَمْسَکْتَ نَفْسِیْ فَارْحَمْھَا وَاِنْ اَرْسَلْتَھَا فَاحْفَظْھَا بِمَا تَحْفَظُ بِہٖ عِبَادَکَ الصَّالِحِیْنَ (بخاری ومسلم) "تیرے نام کی برکت سے اے اللہ! میں نے اپنا پہلو بستر پر رکھا اور تیری ہی عنایت سے صبح اسے بستر سے اٹھاؤں گا اگر تو نے میری روح (سوتے میں) روک لی تو میرے مالک اس پر رحم فرما کر اسے معاف کر دینا اور اگر میری روح تو نے لوٹا دی (اور مجھے زندہ رہنے دیا) تو اسی طرح سے اس کی حفاظت فرما جیسے تو اپنے صالح بندوں کی حفاظت کرتا ہے"۔

۳) اَللّٰھُمَّ اَنْتَ خَلَقْتَ نَفْسِیْ وَاَنْتَ تَتَوَفّٰھَا لَکَ مَمَاتُھَا وَمَحْیَاھَا وَاِنْ اَحْیَیْتَھَا فَاحْفَظْھَا وَاِنْ اَمَتَّھَا فَاغْفِرْ لَھَا اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ الْعَافِیَۃَ (مسلم) "اے اللہ! تو نے ہی مجھے بنایا ہے اور تو ہی مجھے وفات دے گا میری موت اور

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

زندگی تیرے ہے ہاتھ میں ہے اگر تو مجھے زندہ رکھے تو میری حفاظت کر اور اگر موت دے دے تو میری مغفرت فرمائے اللہ! میں تجھ سے عافیت کا طلبگار رہوں"۔

ان دعاؤں کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے قرآن مجید کی ایک آیت پر نگاہ ڈالی جائے قرآن مجید میں ارشاد ہے: اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۴۲ (الزمر) "اللہ تعالیٰ ہی وفات دیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی ہوتی اُنھیں نیند کی صورت میں وفات دیتا ہے چناں چہ جس کی موت کا فیصلہ کر چکا ہوتا ہے انہیں تو وہ روک لیتا ہے اور دوسروں کو ایک وقت مقرر تک کے لئے رہائی دے دیتا ہے (تو وہ نیند سے جاگ جاتے ہیں)؛ اس میں یقیناً غور کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں" اس آیت کے مطابق جن کی اجل مقرر پوری ہو جاتی ہے اللہ ان کی روح قبض کر لیتے ہیں اور جن کی موت نہیں آنی ہوتی ان کو بھی وہ ہر روز موت اور مرنے بعد اٹھائے جانے کا ایک تجربہ کراتے ہیں، اسی طرح ہر شخص کو ہر روز یہ دکھایا جا رہا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو ہمیشہ کی زندگی نہ سمجھے بلکہ حقیقت ہمیشہ پیش نظر رکھے کہ خدا نے ایک معین وقت تک کے لئے اسے یہ مہلت حیات دی ہے جو اپنے وقت مقرر پر اس سے چھین لی جائے گی اور اسے خدا کے حضور میں پیش کر دیا جائے گا اس حقیقت کی یاددھانی کے لئے وہ الفاظ سکھا دئے ہیں کہ جب بندہ رات کو سونے لگے اور یہ دعائیں کرے تو اسے یہ حقیقت یاد آجائے کہ وہ موت کی طرف کشاں کشاں بڑھ رہا ہے جس طرح وہ صبح اٹھا تھا اور اب پھر سونے کا وقت آ گیا ہے، ٹھیک اسی طرح ایک دن اس نیند کا وقت بھی آجائے گا جس کے بعد آنکھ میدان حشر میں ہی کھلے گی۔

۴) اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِيْ اِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ وَاَلْجَاْتُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ رَغْبَةً وَّ رَهْبَةً اِلَيْكَ لَا مَلْجَاَ وَ لَا مَنْجَاَ مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ وَ نَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ "اے اللہ! میں نے اپنے آپ کو تیرے حوالے کیا اور اپنا رخ تیری طرف کر لیا اور اپنا معاملہ تیرے سپرد کیا اور تیری پشت پناہی حاصل کی، امید اور بیم (دونوں صورتوں میں اے اللہ) تیری ہی طرف (اس لئے کہ) تیرے سوا تیرے عتاب سے بچ کر جانے کے لئے کوئی اور پناہ کوئی اور ٹھکانہ نہیں ہے، (اے اللہ) تیری اس کتاب پر جو تو نے نازل کی اور تیرے اس نبی پر جسے تو نے رسول بنا کر بھیجا میں ایمان لایا"۔ (بخاری)

یہ دعا اس حکم الٰہی کا جواب ہے جو اللہ نے قرآن میں بیان کیا ہے کہ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہمیں اللہ تعالیٰ کے آگے سرفگندگی اور حوالگی کا حکم دیا گیا، واضح رہے کہ عرب اللہ تعالیٰ کے سوا کئی ایسے

معبودان باطلہ کے قائل تھے جنہیں وہ خدا کی ربوبیت میں شریک مانتے تھے اس اعتبار سے یہ دعا شرک کی نفی کے مضمون کی بھی حامل ہے یہی وجہ ہے حدیث میں آیا ہے کہ اگر تم یہ دعا پڑھ کر سوئے اور اسی رات کو رخصت ہو گئے تو تمہاری موت فطرت پر ہوگی فطرت کے لفظ سے اشارہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے عہد فطرت کی طرف ہے۔

اس دعا کا آغاز اسلمت نفسی الیک سے ہوا ہے سوتے وقت آدمی کے ذہن میں اس کے دو مطلب آسکتے ہیں، ایک یہ کہ میں سونے لگا ہوں تو ہوسکتا ہے کہ میں مرجاؤں تو یہ جان اللہ کے حوالے ہے اس سے یہ طلب کرنا پیش نظر ہے کہ اللہ اس کے ساتھ اچھا معاملہ کرے اور قیامت کے دن اس کے گناہ معاف فرمائے اسے اپنی پناہ میں رکھے، دوسرے یہ کہ میرا معاملہ اب اللہ کے سپرد ہے یہ ایک طرف اللہ کی بندگی میں آنے کا اظہار ہے تو دوسری طرف اپنے آپ کو اللہ کی حفاظت میں دینے کی دعا ہے یعنی میں اچھا ہوں یا برا تو ہی میرا مالک ہے دن بھر کی کوتاہیوں اور گناہوں کے بعد تیرے ہی دروازے پر آیا ہوں تو اپنی امان میں لے لے۔

اس کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ ووجھت وجھی الیک ہے یہ الفاظ اس عہد کی یاددہانی ہے کہ میری تمام مساعی کا مقصود اللہ ہی ہے میں اس کی طرف آگے بڑھوں گا میں نے دنیا سے منہ موڑ کر اس کی طرف کرلیا ہے، اگلا جملہ وفوضت امری الیک ہے یہ بھی اس سپردگی اور تذلل کا بیان ہے جس کا ذکر اوپر کے جملوں میں ہوا ہے نیز اس جملہ سے رضیت باللہ ربا کے ایمانی تقاضہ کی بھی نشاندہی ہوتی ہے کہ اب اللہ اس دنیا میں ہمارے ساتھ جو کچھ بھی کریں گے ہم اس پر راضی رہیں گے، ظاہر ہے کہ خدا اپنے بندوں کے لئے آسانیاں اور سختیاں دونوں اُتارتا ہے، اگر اللہ کا سہارا اور پشت پناہی حاصل نہ ہو تو آدمی شاید ہی ان آزمائشوں میں کامیاب ہو! اس لئے اپنی جان اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہی سہارے اور پشت پناہی کی درخواست بھی کی گئی ہے تاکہ ایمان کی اس آزمائش میں اللہ تعالیٰ کا سہارا ہمیں حاصل رہے اس کے لئے دعا میں الجئت ظھری الیک والا جملہ آیا ہے ایمان کی یہ آزمائشیں آدمی کو زندگی بھر امید وخوف کے مراحل سے گذارتی رہتی ہیں اگر آدمی اپنے ایمان میں پختہ نہ ہو تو مشکلات میں تو وہ اللہ تعالیٰ سے لمبی لمبی دعائیں کرتا ہے، منتیں مانتا ہے اور یہ عہد بھی کرلیتا ہے کہ اب کہ اگر بچ گیا تو اللہ کا نیک بندہ بن کر رہے گا لیکن جب اللہ تعالیٰ اس کی مشکل حل کردیتا ہے تو وہ اپنی تدبیروں اور بزرگوں کے گن گانے لگتا ہے اور خدا کو اس طرح بھول جاتا ہے جیسے اس نے اسے کبھی پکارا ہی نہیں تھا اس دعا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ ہم امید وبیم رغبۃ و رھبۃ الیک دونوں میں اللہ کی آس لگانے والے اور اسی کو پکارنے والے بنیں مراد یہ کہ اے اللہ! میں اپنے معاملہ کو زندگی کے خشک وتر حالات میں تیرے ہی حوالے کرتا ہوں تو اس میں میرا پشتی بان بن جا اس لئے کہ لا ملجا و لا منجا منک الا الیک اگر تو مجھ

سے ناراض ہوگیا تو میرے لئے اگر کوئی نجات اور پناہ ہے تو وہ تیری ہی رحمت کا سایہ ہے اس دعا کا خاتمہ اللہ کی کتاب قرآن مجید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان کے اقرار پر کیا ہے گویا یہ اس بات کا اظہار ہے کہ اس عہد فطرت کی یاد دہانی اور اس کی تجدید کے لئے یہ کتاب اور یہ پیغمبر آئے ہیں ہم اس عہد فطرت کی رہنمائی میں ان پر بھی ایمان لائے اس لئے کہ انہیں تو نے بھیجا ہے۔

۵) اَللّٰھُمَّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ "الٰہی! مجھے اس روز اپنے عذاب سے بچا جس روز تو اپنے بندوں کو حساب کے لئے اٹھائے گا" (ابوداؤد) سوتے وقت اگر آدمی کو قیامت یاد آجائے تو اس وقت وہ یہ دعا کرے اگر آدمی اپنی زندگی خدا کے لئے بسر کر رہا ہے تو ہر رات اس کے لئے موت اور ہر صبح اس کے لئے صبح نشور ہے، یہ قیامت کے دن اللہ کے عذاب سے بچنے کی دعا ہے اور آخرت پر ایمان کا اظہار ہے۔

۶) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ کَفَانَا وَ آوَانَا فَکَمْ مِمَّنْ لَا کَافِیَ لَہٗ وَلَا مُؤْوِیَ "شکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور رہنے اور سونے کے لئے یہ ٹھکانا عطا کیا، کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو بے سہارا اور بے ٹھکانہ ہیں" یہ اظہار تشکر کی دعا ہے کہ سوتے وقت آدمی یہ محسوس کرے کہ اللہ نے اُسے پیٹ بھر کھانا کھلایا، پیاس بجھائی اور سر چھپانے کو گھر عطا کیا ہے، اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرے اس لئے کہ دنیا میں کتنی ہی لوگ ہوں گے جنہیں نہ کوئی کھانا کھلانے والا ہے نہ مشکلات میں سہارا دینے والا اور نہ ان کے پاس سر چھپانے کے لئے گھر ہے اور ظاہر ہے یہ نعمتیں اس کا ذاتی استحقاق نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے محض اپنی رحمت سے دی ہیں جس کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے یہ دعا ایک اعتبار سے شکر گذاری ہے تو دوسری طرف اس میں اس بات کی بھی تعلیم ہے کہ اپنے سے کم مایہ لوگوں کی طرف دیکھ کر انہیں حقیر سمجھنے اور اپنے آپ کو بڑا کہنے کے بجائے اس خیر الرازقین کا شکر ادا کیا جائے جس نے اسے بہتوں سے زیادہ دیا ہے۔

قرآن مجید سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دین اصل میں یہ چاہتا ہے کہ آدمی مشکلات میں مایوس ہونے اور جزع فزع کرنے کے بجائے صبر کرے اور خدا کی عنایتیں اگر اسے حاصل ہوں تو اس پر اکڑنے کے بجائے اس کا شکر ادا کرے، جس نے تنگی اور خوشحالی میں دین کا یہ مطلوبہ رویہ اختیار کیا وہی کامیاب ہوگا چنانچہ رات کو سوتے وقت آدمی اگر ان نعمتوں پر شکر ادا کر کے سوئے تو گویا اس نے اپنی ان نعمتوں پر صحیح رویہ اختیار کیا یہ صالح رویہ اس کے لئے قیامت کے دن باعث نجات ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں رات کو سوتے وقت ان اذکار کو ان کے معانی کے دھیان کے ساتھ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فکر آخرت

دنیا ایک سرائے ہے

مولانا نسیم اختر شاہ قیصر*

کائنات مسلسل سفر میں ہے، دنیا کی ہر چیز گردش کر رہی ہے اور اس کی یہی گردش آخر ایک دن اسے منزل پر پہنچا دیتی ہے، کوئی بھی مخلوق ہو اور دنیا میں پیدا کردہ اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی چیزیں ہیں سب کی فطرت اور سرشت یہ ہے کہ وہ فنا ہوں گی، عمر کسی کی طویل سہی اور کسی کی مختصر مگر شکست و ریخت کے مرحلے سے سب کو گذرنا ہے، کچھ بھی تو باقی نہیں بچے گا، ہر شئ فنا کا مقدر لئے ہوئے ہے، آج جو ہے وہ کل نہیں ہوگا اور جو کل تھا وہ آج نہیں ہے۔ یہ تو امر مسلّم ہے کہ اس دنیا کو رب العالمین نے انسان کے لے پیدا فرمایا۔ جب انسان ہی نہیں رہے گا تو پھر اس عالم کے باقی رہنے کا تصور ہی کہاں رہا؟ دن رات کا ہمارا مشاہدہ ہے اور ہماری آنکھوں میں ہزاروں مناظر ایسے موجود ہیں کہ ایک شخص ہمارے درمیان موجود تھا، ابھی ہمارے پاس بیٹھا ہوا تھا، ابھی ہماری اس سے گفتگو ہو رہی تھی مگر چند ساعتیں بھی نہیں گذریں کہ وہ شخص اس طرح ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو گیا جیسے اس کا کبھی وجود ہی نہ رہا ہو اور بعض اوقات تو یہ صورت اس حال میں پیش آتی ہے کہ یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے، غرض اس دنیا کو مومن کے لئے قید خانہ کہا گیا ہے جس سے باہر نکلنے اور آزادی حاصل کرنے کا جذبہ ہر بندۂ مومن میں موجود ہے۔

اس دنیا سے اپنا ٹھکانہ بدلنا ہے اور دوسرے جہان کی طرف کوچ کرنا ہے۔ جیسے اللہ کی وحدانیت پر یقین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لازمی اور ضروری ہے ایسے ہی یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی اس کا یقین رکھے کہ اسے اس دنیا سے آگے بڑھ کر دوسری دنیا میں جانا ہے۔ آخرت کی زندگی ہی اس کی اصل زندگی ہے یہاں تو اس کا قیام چند ساعتوں، چند گھنٹوں، چند دنوں، چند ہفتوں، چند مہینوں یا چند سالوں کے لئے ہے۔ وہ زندگی جو کبھی ختم نہیں ہوگی وہ آخرت کی زندگی ہے اور دنیا کی یہ زندگی اسی آخرت کی زندگی کی ابتداء ہے اور جس طرح ہر شئے کی ایک ابتداء ہوتی ہے اور پھر اس کی انتہاء بھی اور انتہاء ہی مقصود اصلی ہے تو دنیا مقصود اصلی نہ بنی بلکہ آخرت مقصود اول ہے اور جب کسی چیز کا حصول مقصود ہوتا ہے تو اس کے لئے لازمی تیاری بھی کرنی پڑتی ہے۔

*استاذِ حدیث دار العلوم وقف دیوبند

ہم دنیاوی امور کو اسی طور اور طرز پر انجام دیتے ہیں۔ معمولی سی بات ہے کہ ایک وقت کا کھانا بھی بغیر کسی تیاری اور اسباب کے دستر خوان تک نہیں پہنچتا۔ چیزوں کو فراہم کرنا ہوگا۔ آٹے، دال اور چاول کی فکر کرنی ہوگی پھر پکانے کے عمل سے جب گزر جائیں گے تو تمام چیزیں اس قابل ہو کر ہمارے ہاتھوں میں ہوں گی کہ جن سے ہم اپنے پیٹ کی آگ بجھا سکیں۔ جو محنت کی گئی اور جو وقت لگا اصل قیمت اسی کی ہے۔ اس لئے کہ جو وقت کام میں لایا گیا اور وقت کو جس نے صحیح استعمال کر لیا یقینا کامیابی اسی کے دامن گیر ہوتی ہے۔ جو لوگ وقت کی قدر و قیمت نہیں سمجھتے وہ مواقع کھو دیتے ہیں اور جب ان کے ہاتھ سے سب کچھ نکل جاتا ہے تو وہ ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔ وقت تیزی کے ساتھ آ رہا اور جا رہا ہے اور یہ دور تو یقینی طور پر قرب قیامت کا دور ہے۔ اس لئے کہ وہ آثار اور علامتیں ظاہر ہونی شروع ہوگئی ہیں جن کی نشان دہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی، انہیں علامتوں میں ایک علامت یہ بھی بیان کی گئی کہ ایک زمانہ آئے گا کہ جب وقت سے برکت اٹھ جائے گی۔ سال مہینوں میں، مہینے دنوں میں، دن گھنٹوں میں اور گھنٹے ساعتوں میں تبدیل ہو جائیں گے۔ اس مفہوم کا مطلب یہ ہے کہ وقت سے برکت اٹھ جائے گی۔ خود آپ اور ہم بھی یہ شکوہ کرتے ہیں کہ وقت تیزی کے ساتھ گزر رہا ہے۔ ابھی سال کا آغاز ہوا تھا کہ اس کا اختتام بھی ہو گیا۔ ابھی مہینے کی شروعات ہوئی تھی کہ وہ بھی منزل آخر میں داخل ہو گیا۔ ابھی سورج طلوع ہوا تھا کہ اس نے بھی غروب کی آغوش میں سر ٹیک دیا۔

تو یہ بات آثار و قرائن، حقائق و صداقتوں سے طے ہوگئی کہ دنیا فنا ہوگی اور مٹ کر رہے گی۔ تو کیا فنا ہونے کے بعد قصہ ختم ہو جائے گا یا طول پکڑے گا، ظاہر ہے کہ یہ تو عارضی ٹھکانہ اور مستقر تھا، پہنچنا انسان کو وہاں ہے جہاں ختم ہونے کا کوئی تصور نہیں، وہ عالم ہمیشہ باقی رہے گا اور اسی عالم کو اصل عالم قرار دیا گیا، دنیا خرابات سے بھری ہوئی ہے اور ان خرابات سے دامن بچا کر گزرنا اور نکل جانا ہی دراصل کامیاب زندگی کی ابتدا ہے۔ جو فرائض انسان سے متعلق کئے گئے ہیں اور جن احکامات کا اسے پابند بنایا گیا ہے اگر ان فرائض کی وہ تکمیل کرے اور ان احکامات پر صدق دل کے ساتھ عمل پیرا ہو تو خدائی فضل و کرم سے اس پر یقین کامل ہے کہ آخرت کی زندگی سہولت اور آرام کی زندگی ہوگی، خدائی انعامات اور اس کی رحمتوں سے مستفید ہونے کی زندگی ہوگی۔ مگر جس نے اس دنیا کو اپنا حقیقی یا اصل ٹھکانہ سمجھا وہ دھوکے میں رہا اور جب انسان خود کو دھوکے میں ڈال لے تو اس کو دھوکے کی اس دنیا سے باہر لانا مشکل ہوتا ہے۔ ہر سو اور ہر سمت خدا کی اس کائنات میں ہزاروں نظارے موجود ہیں جو آ رہے اور جا رہے ہیں، پیدا ہو رہے اور ختم ہو رہے ہیں، اپنی ابتداء اور انتہاء سے یہ پیغام دے رہے ہیں کہ ہم کچھ دیر کے لئے تھے، کچھ دیر کے بعد نہیں ہوں گے۔ تم بھی کچھ ہی دیر کے لئے اس عالم میں بھیجے گئے ہو اور

کچھ دیر کے بعد تمہیں بھی یہاں سے رخصت ہو جانا ہے۔ اب جو آخرت کی زندگی پر یقین نہ رکھے اور جس کے ایمان کا حصہ یہ چیز نہ بن سکے کہ آخرت ہی کے لئے آدمی اس دنیا میں آیا تھا تو ایسا تصور اگر کسی کا نہیں تو وہ انسان بڑے خسارے میں پڑا ہوا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی، آپ کے اقوال اور آپ کی سیرت کے جتنے بھی پہلو ہیں وہ سب اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ دنیا ہمیشہ کے لئے نہیں ہے۔ یہ کچھ وقت اور کچھ لمحوں کے لئے ہے۔ اور پھر اس کا کھیل بگڑ جائے گا، کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ ہر مسلمان اس دنیا میں یہی سوچ کر رہے اور اسی سوچ کے تحت زندگی گزارے جنہوں نے اس عارضی زندگی کو حقیقی زندگی سمجھ لیا ہے وہ فریب کا شکار ہیں۔ اس فریب سے خود کو باہر لانے، خود کو نکالنے کی ضرورت ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ اگر یہ دنیا باقی نہیں رہے گی تو اس دنیا کے کام آپ انجام نہ دیں اور عمل کے راستے پر نہ چلیں۔ کام بھی کرنے ہیں، ضروریات کی تکمیل بھی کرنی ہے اور زندگی کے دیگر تقاضوں کو بھی پورا کرنا ہے۔ شرط اول و آخر یہ ہے کہ ان تمام مصروفیات کو شریعت کی روشنی میں پورا کیا جائے۔ یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ جو کچھ بھی ہم کریں کرتے رہیں، ہم سے کوئی سوال و جواب نہیں ہوگا۔ کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ ہر چیز کا سوال کیا جائے گا اور ہر چیز کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ مالدار ہے تو سوال ہوگا ہم نے تمہیں مال دیا تھا وہ کہاں خرچ کیا؟ ہم نے تمہیں صحت دی تھی وہ کس جگہ استعمال کی؟ ہم نے تمہیں عقل و شعور عطا کیا تھا اس عقل و شعور سے تم نے کیا کام لیا؟ تمہیں قوت و توانائی بخشی گئی تھی وہ قوت و توانائی کس کام میں لائے؟ یہ ہاتھ یہ پاؤں، یہ آنکھیں، یہ کان، یہ دل، یہ دماغ جو عطائے ربانی تھے ان سے بندگی کا اور غلامی کا کتنا ثبوت بہم پہنچایا؟ ذرا غور کرو اور سوچو اگر وہ تمہیں معذور اور اپاہج بنا دیتا، آبادی کی آبادیاں اور بستی کی بستیاں مجبوروں اور معذوروں کی آبادیاں اور بستیاں ہوتیں تو تم کیا کر سکتے تھے؟ نہ ایک قدم چل سکتے اور نہ اٹھ سکتے اور بیٹھ سکتے۔ یہ تو اس ذات واحد کا احسان عظیم ہے کہ اس نے عقل بھی دی، سمجھ بھی، طاقت بھی دی اور قوت بھی۔ ان سب چیزوں کا حق بنتا ہے اور مخلوق ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ اپنے خالق کا حکم مانا جائے اور اس کی خوشنودی کی کوششیں کی جاتی رہیں۔

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

ادارہ

بیع (خرید وفروخت، لین دین) کسے کہتے ہیں؟

سوال: شریعت میں بیع کسے کہتے ہیں؟

جواب: بیع لغت کے اعتبار سے اس عقد کو کہا جاتا ہے جس میں تبادلہ ہو خواہ وہ تبادلہ مال کا مال سے ہو یا مال کا کسی اور چیز سے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ آپسی رضامندی سے مال کا ایک دوسرے کے ساتھ تبادلہ کرنا بیع کہلاتا ہے۔ (فتاویٰ شامی: ۷/۳)

بیع (خرید وفروخت) میں مال کسے کہتے ہیں؟

سوال: مال کا اطلاق عام طور سے اعیان (چیزوں) پر ہوتا ہے لیکن بہت سی مرتبہ خصوصاً اس زمانہ میں بے شمار ایسی چیزیں جس کا تعلق کسی عین سے نہیں ہے مثلاً ہوا، شعاعوں کو محفوظ کرنا، موبائیل ریچارج وغیرہ خریدی اور بیچی جاتی ہیں شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس مسئلہ میں ایک اصول یہ ہے کہ جس چیز پر بھی مال کا اطلاق ہو اس کی بیع جائز ہوتی ہے اور مال ہر وہ چیز ہے جس کو عرفِ عام میں مال مانا گیا ہو اسی طرح جب موبائیل ریچارج اور شعاعوں پر مال کا اطلاق ہو رہا ہے تو اس کی بیع جائز ہے، خریدی اور بیچی جاسکتی ہیں۔ (البحر الرائق: ۵/۴۳۰؛ کتاب البیوع)

بیع کی ایک صورت کا حکم

سوال: زید کو ۱۰/لاکھ روپیہ کی سخت ضرورت ہے نقد رقم اس کے پاس موجود نہیں ہے اور نہ ہی کہیں سے قرض ملنے کی امید ہے البتہ اس کے پاس اپنا ایک ذاتی گھر ہے جس کی قیمت ۱۰/لاکھ سے زائد ہے، چنانچہ اس نے عمرو کو اس شرط پر گھر بیچا کہ یہ گھر آپ قبضہ کرلیں ۱۰/لاکھ روپیئے بطور قیمت مجھے ادا کردیں، ۲/سال کے بعد جب میں یہ قیمت واپس کروں گا تو گھر واپس کردیں، عمرو نے شرط قبول کرلی تو کیا یہ بیع درست ہوگی اور پیسے کی واپسی کے وقت میں مبیع (گھر) واپس کرنا خریدار پر لازم ہوگا؟

جواب: صورت مسئلہ میں اگر زید نے معاملہ کے وقت ہی اس طرح کی شرط لگائی تو بیع فاسد ہوجائیگی،

ہاں اگر بعد میں کسی اور وقت واپسی کا معاملہ آپسی رضامندی سے ہوا تو پھر بیع درست ہوجائیگی اور یہ رہن کے حکم میں ہوگا، اور زید کا عمرو کو رقم واپس کرنے کے بعد عمرو پر لازم ہے کہ وہ زید کو گھر واپس لوٹادے۔

(فتاویٰ شامی: ۷/ ۵۴۵؛ کتاب البیوع، باب الصرف)

زندہ جانور کی خرید وفروخت

سوال: زندہ جانور کی بیع وزن کرکے درست ہے یا نہیں؟ اگر کوئی زندہ جانور کو وزن کرکے فروخت کرے مثلاً مرغی، کبوتر، بطخ، بکرا، بکری وغیرہ تو یہ آمدنی حلال ہے یا حرام؟

جواب: زندہ جانور کو تول کر وزن کرکے فروخت کرنے کے سلسلہ میں صاحبِ ہدایہ کی عبارت سے اِس قسم کی بیع کا ناجائز ہونا معلوم ہوتا ہے، لیکن عرفِ عام میں جانوروں کو وزن کرکے بیچنا رائج ہے اور صحیح وزن کا معلوم نہ ہونا معمولی جہالت ہے اور تجارت میں معمولی جہالت جو جھگڑے کا سبب نہ بنے درست ہے، جیسا کہ شاہ صاحب (علامہ انور شاہ کشمیریؒ) کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جہالت جو جھگڑے کا سبب نہ ہو تو مفسد عقد نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم زکریا ۵/ ۶۱، فیض الباری، ۲/ ۲۸۹)

نیلام اور ہراج کرنا

سوال: نیلام اور ہراج کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: نیلام اور ہراج کرنا جائز ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ عمل ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پیالہ کا ہراج کیا ایک صاحب ایک درھم دینے تیار ہوگئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نیلام لگایا دوسرے صاحب دو درھم دینے کو تیار ہوگئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ پیالہ انہیں دیدو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو درھم انصاری صحابیؓ کو دیدیئے جس کا وہ پیالہ تھا؛ آگے مفصل حدیث ہے۔۔۔ (فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۵/ ۳۰۷)

پرانی قبر کو منہدم کردینا

سوال: ایک قدیم قبر کو منہدم کرکے اس میں کسی اور کی تدفین کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

جواب: اگر قبر اتنی پرانی ہو کہ اس میں جو میت تھی بالکل ختم ہوجائے تو پھر اس قبر میں دوسری میت کو دفن کرنا درست ہے ورنہ بلاضرورت ایسا کرنا منع ہے اور بوقت ضرورت جائز ہے اور ایسی حالت میں جب میت کی ہڈیاں وغیرہ کچھ قبر میں موجود ہوں تو وہ ایک طرف علاحدہ قبر میں رکھ دی جائیں اور اگر میت بالکلیہ قبر میں صحیح سالم موجود ہو تو بوقت ضرورت اس کے برابر میں اسی قبر میں میت کو رکھنا جائز ہے لیکن میت قدیم وجدید کے درمیان مٹی کی آڑ بنادیا جائے۔ (فتاویٰ شامی: ۱/ ۸۵۳، کتاب الجنائز)

خبرنامہ

عالم اسلام کی خبریں

☆ امریکی کمپنی میں مسلم ملازمین کی دین سے ایسی محبت کہ ملازمت چھوڑ دی۔ تفصیل یوں ہے کہ امریکی آٹوسپلائرس کمپنی بورس جیفرسن نے اپنے مسلم ملازمین کو ماہ رمضان المبارک میں افطار اور نماز کے اوقات میں وقفہ دینے سے انکار کر دیا تھا، جس سے 16 مسلم ملازمین نے ملازمت کو ہی خیر باد کہہ دیا۔ (اعتماد: ۵/اگست)

☆ اخوان المسلمون کے 12 کارکنوں کو سزائے موت کی توثیق؛ مصر کی ایک عدالت نے پولیس اسٹیشن پر حملہ کے الزام میں اخوان المسلمون کے 12 کارکنوں کی سزائے موت کی توثیق کر دی ہے جب کہ 157 افراد کو عمر قید کی سزا سنائی۔ (اعتماد: ۹/اگست)

☆ 4 ممالک میں 2 کروڑ افراد کی فاقہ کشی کا خطرہ؛ عالمی سلامتی کونسل نے یمن، صومالیہ، جنوبی سوڈان اور شمالی مشرقی نائجیریا میں متحارب فریقوں سے اپیل کی ہے کہ وہ متاثرہ علاقوں میں انسانی امداد داخل ہونے کی اجازت دیں، کونسل نے دنیا بھر کے ممالک پر زور دیا ہے وہ ۲/کروڑ افراد کو درپیش فاقہ کشی کے خطرے سے بچاؤ کے لئے مزید رقوم عطیہ کریں؛ اقوام متحدہ۔ (منصف: ۱۱/اگست)

☆ قبلہ اول کی آزادی کے لئے عالم اسلام متحد ہو جائے: امام مسجد اقصیٰ کی اپیل پر رکاوٹوں کے باوجود ہزاروں فلسطینی مسجد اقصیٰ تک پہنچنے میں کامیاب۔ (اعتماد: ۱۳/اگست)

☆ شام: دو ماہ کے دوران الرّقہ میں 900 سے زیادہ شہری جاں بحق۔ (منصف: ۱۴/اگست)

☆ یمن میں ہیضہ کی وبا، 5 لاکھ افراد متاثر؛ اپریل سے پھیلنے والے اس وبائی مرض سے کم از کم 1975 فراد ہلاک ہو چکے ہیں، یمن میں ایک کروڑ 40 لاکھ افراد صاف پانی اور صحت وصفائی کی سہولیات سے محروم ہیں۔ (منصف: ۱۵/اگست)

☆ سعودی عرب میں 90 لاکھ نشہ آور گولیاں منتقل کرنے کی کوشش ناکام۔ (اعتماد: ۱۵/اگست)

☆ ۲۴/گھنٹے میں ۳۵/ہزار روہنگیا مسلمانوں کی بنگلہ دیش آمد۔ (بی بی سی اردو)

☆ عازمین حج کی 1200 سرجریاں مکمل، حجاج کرام کے 108 دل کے آپریشن۔ (منصف: ۲۵/اگست)